نقوش راہ دکھاتے چلو زمانے کو
قدم قدم پہ مسافر پریشاں بیٹھے ہیں

ماہ نامہ

نقوش راہ

September 2019

”کشمیر کا بھارتی کرن ہونے کے بجائے، کہیں بھارت کا کشمیری کرن نہ ہو جائے:

پرتاپ بھانو مہتا

دفعہ ۳۷۰ ہٹا کر ہم نے کشمیر کے فلسطین بننے کا راستہ کھول دیا ہے:

پروفیسر منوج جھا

جموں کشمیر ہندو اکثریتی علاقہ ہوتا تو دفعہ ۳۷۰ نہیں ہٹاتی بی جے پی:

پی چدمبرم“

عن النبی ﷺ قال: سیکون بعدی ائمۃ یعطون الحکمۃ علی منابرھم، فاذا نزلوا، نزعت منھم، قلوبھم واجسادھم شر من الجیف۔

[راوی: ابوھریرہ رضی اللہ عنہ اخرجہ الطبرانی فی الاوسط 133/2 وذکرہ الھیثمی فی المجمع 283/5]

آپ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد ایسے امام ہونگے کہ حکمت انہیں صرف منبروں پر عطا کی جائے گی، جب وہ ممبر سے اتر جائینگے تو ان سے لے لی جائیگی۔ ان کے دل اور ان کے جسم مردار جیسے ہونگے۔

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔ (القرآن)

ماہنامہ

نقوش راہ

اسلامک یوتھ فیڈریشن (IYF) کا ترجمان

ستمبر 2019ء، محرم الحرام رصفر المظفر ۱۴۴۰ھ | جلد:02 شمارہ:08

چیف ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد وجیہ القمر

ایڈیٹر

منہاج الاسلام فلاحی

معاون ایڈیٹر

جاوید مومن

مجلس ادارت

- محمد جمیل
- سید ریحان
- معاذ احمد جاوید
- محمد مبشر
- اُسامہ عظیم فلاحی
- عمار احسن ندوی

سرکولیشن منیجر

شیخ عمران

زرتعاون

فی شمارہ:-/20

سالانہ:-/220

فہرست مضامین

اداریہ	منہاج الاسلام فلاحی	04
درس قرآن	ابن مظفر	05
نصب العین سے انحراف	مصطفیٰ مشہورؒ	07
خلافت وملوکیت: ایک جائزہ	محمد انس فلاحی مدنی	10
مروجہ نظام تعلیم کی خامیاں	معاذ احمد جاوید	14
کشمیر: ماضی اور حال کے آئینے میں	منہاج الاسلام فلاحی	17
موجودہ اجودھیا رام کی جنم بھومی نہیں	نلنجن مکھوپادھیائے	20
نظریاتی جنگ کے ذرائع واصول	اسماعیل ریحان	22
ویدا اور اس کی قدامت	سید حامد علی	25
گوشۂ خواتین: میدانِ جہاد میں عورت کا کردار	یوسف القرضاوی	28
گوشۂ اطفال: احساس		32
ثقافت کی تلاش	نسیم حجازی	33
اقبالیات	ابن سلطان	37
بک ریویو	شکیل رشید	38
عالمی وملکی منظر نامہ	پرویز نادر	41
سرگرمیاں		42

Printer , Publisher and Owned by Shaikh Nisar Shaikh Chand Printed At Super Printing Press
Telipur Chowk Akola, Published At 1st Floor, Oppsite Basera Apartment, Subhash Chowk Akola-444001
Editor: Shaikh Nisar Shaikh Chand

کشمیر سے دفعہ ۳۷۰ ہٹائے جانے پر پروفیسر منوج جھا کی کہی ہوئی یہ بات کہ ایسا کر کے ہم نے کشمیر کے فلسطین بننے کا راستہ کھول دیا ہے، بہت ہی اہمیت کی حامل ہے۔ کشمیر کو فلسطین سے تشبیہہ دینا بہت ہی معنی خیز بات ہے۔ اس وقت اگر آپ پوری دنیا پر نظر ڈالیں تو صرف دو جگہ کے افراد ہی ایسے نظر آئیں گے جو اپنی مقابل فوج کی گولیوں کا مقابلہ پتھر اور اینٹ سے کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک فلسطین ہے اور دوسری کشمیر۔ اتفاق سے دونوں ہم مذہب ہیں یعنی مسلمان۔

جن طاقتوں سے کشمیری اور فلسطینی مسلمان مقابلہ کر رہے ہیں یعنی برہمن اور یہودی، ان میں بھی کچھ باتیں مشترک ہیں۔ یہودی اپنے علاوہ سب کو 'گوئم' (ناپاک) اور برہمن اپنے علاوہ سب کو 'ملیچھ' سمجھتے ہیں۔ دنیا میں تین اقوام ایسی ہیں جو خون، ہڈی اور نسل کی بنیاد پر خود کو اعلیٰ وارفع سمجھتی ہیں: ۱۔ یہود، ۲۔ برہمن، ۳۔ پارسی۔ اس طرح کی برتری جتلانے والوں کو ماہر نسلیات 'Insular' (انسولر) کا نام دیتے ہیں۔ پارسی تو اتنی کم تعداد میں ہیں کہ دنیا میں بحیثیت قوم اپنا کوئی کردار ادا نہیں کر سکتے نیز ان کی تعداد دن بدن کم ہی ہوتی جا رہی ہے۔ البتہ یہود و برہمن ایسی اقوام ہیں جو نسلی برتری کے نظریہ کی بنیاد پر ریاست قائم کرنے کی پوری کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ یہودیوں نے ریاست قائم کر کے اعلان بھی کر دیا البتہ برہمنوں نے ریاست قائم تو کر رکھی ہے لیکن اس کے باضابطہ اعلان کے لئے مناسب موقع کے انتظار میں ہیں۔

یہود و ہنود کی دشمنی براہ راست اسلام سے ہے کیوں کہ اسلام انسانوں میں برتری کے اس معیار کا سخت مخالف ہے۔ اسلام کے نزدیک برتری کا معیار صرف ''تقویٰ'' ہے، جو اپنا ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے اور جسے کوئی بھی حاصل کر سکتا ہے۔ یہ وہ بنیادی نظریہ ہے جس سے یہ دونوں اقوام خوف زدہ تھیں اور اب بھی ہیں۔

دفعہ ۳۷۰ کا ہٹایا جانا اگر حب الوطنی کی علامت یا ملک کی قوت میں اضافے کا سبب ہے تو 371A، 371C، 371F، 371G اور 371I جو کہ علی الترتیب ناگالینڈ، منی پور، سکم، میزورم اور گوا میں نافذ ہیں، انہیں کیوں نہیں ہٹایا گیا؟ یہ تمام دفعات 370 ہی کی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر، ان ریاستوں کو کشمیر سے زیادہ خصوصی حیثیت کا درجہ دیتی ہیں۔ اگر ان ریاستوں سے یہ دفعات ہٹائی جائیں تو فوج اور ملک کی معیشت کا اتنا بڑا نقصان نہیں ہوتا جتنا کشمیر سے دفعہ 370 کے ہٹائے جانے پر ہو رہا ہے اور ہوگا۔ اگر 370 کے ہٹائے جانے سے کشمیر اور کشمیریوں کا فائدہ ہے جیسا کہ سرکار دعویٰ ہے تو کیا سرکار مذکورہ بالا ریاستوں کا نقصان کر رہی ہے؟؟ آخر وہاں سے 371 اور اس کی ذیلی دفعات ہٹا کر وہاں کی عوام کو فائدہ کیوں نہیں پہنچانا چاہتی ہے؟ ظاہر سی بات ہے کہ سرکار کا یہ دعویٰ غلط ہے۔ کشمیر سے دفعہ 370 صرف اس وجہ سے ہٹایا گیا کہ وہ ایک مسلم اکثریتی علاقہ ہے اور وہاں کی مسلم عوام کو کسی حد تک اس سے فائدہ پہنچ رہا تھا۔ مسلم عوام کو کسی بھی طرح سے اور کسی بھی قیمت پر نقصان پہنچانا برہمن نواز بی جے پی سرکار کی بنیادی ترجیحات میں شامل ہے، خواہ اس سے ملک کا کتنا ہی بڑا نقصان کیوں نہ ہو جائے۔

کچھ ماہرین قانون کے مطابق دفعہ 370 ہٹائے جانے کا مطلب یہ ہے کہ بھارت کے ساتھ جن بنیادوں پر کشمیر کا الحاق ہوا تھا، ان بنیاد و شرائط کو بھارت کی سرکار نے خود ہی ختم کر دیا اور اس طرح گویا کشمیر کا الحاق بھی ختم ہو گیا۔ اس سے وہاں کی حریت پسند عوام کی مزید حوصلہ ملے گا اور انہیں اپنی آزادی کی منزل اب قریب دکھ رہی ہوگی۔ دوسری طرف وہ لوگ جو کشمیر کا الحاق بھارت کے ساتھ چاہتے تھے، جن کے آباء و اجداد نے بھارت کی محبت میں اپنے ایمان، عقیدہ و مذہب تک کی قربانی دے دی تھی اور جنہوں نے اپنے بھائی بندوں کے بالمقابل حکومت ہند کا ساتھ دیا تھا، آج وہ کشمیر میں ذلیل و خوار ہو رہے ہوں گے، انہیں اپنی تمام وفاداریاں اور قربانیاں یاد آ رہی ہوں گی اور میڈیا کے سامنے آنسو بہانے کے علاوہ انہیں کوئی راستہ نظر نہ آ رہا ہوگا۔ ہریانہ کے وزیر اعلیٰ کی یہ بات کہ ''370 ہٹنے کے بعد اب ہم کشمیر سے بہوئیں لا سکیں گے'' یہ سن کر بھارت نواز محب وطن کشمیری لیڈران اپنی بیٹیوں سے نظر ملانے کی ہمت بھی نہیں کر پا رہے ہوں گے اور ان کے پاس اپنی قوم سے کہنے کے لئے کچھ بھی نہیں بچا ہوگا۔ آزادی پسند افراد کی نظروں میں یہ لوگ تو پہلے ہی منافق قرار پائے تھے، اب انہیں بھی اس کا احساس ہو رہا ہوگا کہ کیا واقعی ان کے آباء و اجداد نے ماضی میں بھارت کا ساتھ دے کر غلطی کی تھی؟

دفعہ 370 ختم کرنے والوں نے بھارت کا ساتھ دینے والی کشمیر کی ان سیاسی جماعتوں کا بھی خیال نہیں رکھا، جنہوں نے ملک کی محبت میں اپنے ایمان، عقیدے و نظریے کو بالائے طاق رکھ کر بھارت کا ساتھ دیا تھا۔

بی جے پی کا رویہ، جو اس نے کشمیر کی سیاسی جماعتوں کے ساتھ اپنایا ہے، وہ برہمنی اصول کی بنیاد پر ہے۔ وہ اصول یہ ہے کہ مقصد کا حصول اصل ہے خواہ اس کے لئے کوئی بھی طریقہ اختیار کرنا پڑے یعنی حصولِ مقصد کے لئے کیسا ہی غیر اخلاقی و گھناؤنا طریق کار کیوں نہ اختیار کرنا پڑے، اسے اختیار کرنا جائز ہے۔

بی جے پی کا مقصد مسلمانوں کو ذہنی و نفسیاتی طور پر خوف و ذلت میں مبتلا کرنا ہے لہٰذا اس کے لئے کوئی بھی اور کسی بھی نوعیت کا طریقہ کا اختیار کیا جا سکتا ہے۔ وہ مسلمان جو اپنی ضمیر فروشی و ایمان فروشی کے بہتر بدلہ کی امید لے کر آر ایس ایس یا بی جے پی وغیرہ سے منسلک ہیں، انہیں آج محبوبہ مفتی اور کشمیر کی دوسری مسلم سیاسی پارٹیوں سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ محبوبہ مفتی اور فاروق عبداللہ کو، جو مسلم ہیں اور قرآن کی تلاوت بھی یقیناً کرتے ہوں گے، انہیں یہ آیت ضرور یاد آ رہی ہوگی اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ (60:2) یعنی اگر وہ تم پر قابو پا جائیں تو تمہارے ساتھ دشمنی کریں اور ہاتھ اور زبان سے تمہیں تکلیف دیں۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح کافر ہو جاؤ۔

ظلم کی اس اندھیری رات میں کشمیری مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ محض اسلام کی خاطر خلوص و للہیت کے ساتھ اپنے علاقے کے لئے کام کریں بجائے اس کے کہ وطن پرستوں کی طرح یوں ہی اپنی قربانیوں کو ضائع کر دیں۔ نصرت الٰہی تبھی قدم چومے گی۔

فاسقین اوران کا رویہ

ابن مظفر فلاحی

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسۡتَحۡیٖۤ اَنۡ یَّضۡرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوۡضَۃً فَمَا فَوۡقَہَا ؕ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۚ وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَیَقُوۡلُوۡنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰہُ بِہٰذَا مَثَلًا ۘ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیۡرًا ۙ وَّ یَہۡدِیۡ بِہٖ کَثِیۡرًا ؕ وَ مَا یُضِلُّ بِہٖۤ اِلَّا الۡفٰسِقِیۡنَ ۙ﴿۲۶﴾ الَّذِیۡنَ یَنۡقُضُوۡنَ عَہۡدَ اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِیۡثَاقِہٖ ۪ وَ یَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ وَ یُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۲۷﴾ کَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ کُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا فَاَحۡیَاکُمۡ ۚ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡکُمۡ ثُمَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۸﴾ ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ۤ ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىہُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ ہُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۲۹﴾

ربط: اس سے قبل مومنین ،کفار اور منافقین کا تذکرہ اوران کی نفسیات کا ذکر بالتفصیل مع مثال کے گذر چکا۔اب آیت ۲۶ تا ۲۹ میں فاسقین اوران کے رویے کا تذکرہ ہے۔

ترجمہ آیت نمبر ۲۶: ہاں، اللہ اس سے ہرگز نہیں شرماتا کہ مچھر یا اس سے بھی حقیر تر کسی چیز کی تمثلیں دے۔جو لوگ حق بات کو قبول کرنے والے ہیں، وہ انہی تمثیلوں کو دیکھ کر جان لیتے ہیں کہ یہ حق ہے جو ان کے رب کی طرف سے آیا ہے اور جو ماننے والے نہیں ہیں، وہ انہیں سن کر کہنے لگتے ہیں کہ ایسی تمثیلوں سے اللہ کو کیا سروکار؟ اس طرح اللہ ایک ہی بات سے بہتوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور بہتوں کو راہ راست دکھا دیتا ہے اور گمراہی میں انہی کو مبتلا کرتا ہے جو فاسق ہیں۔

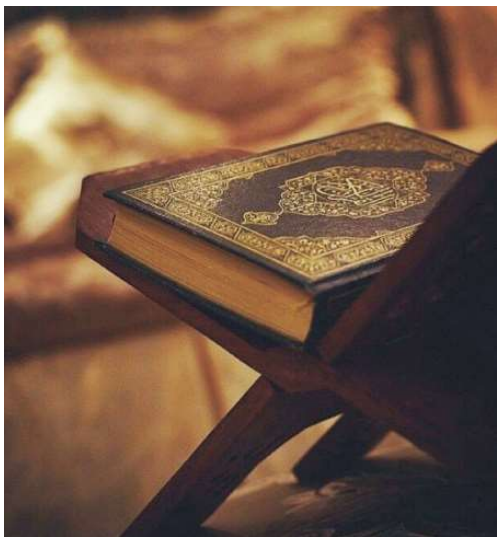

تشریح وتوضیح:

❁ اس آیت میں الذین کفروا سے مراد فاسقین ہیں۔کفار، منافقین اور فاسقین سب اصلاً خدا، رسول اور آیت قرآنی کا انکار کرنے والے ہی ہوتے ہیں۔ان کے مختلف رویوں کے سبب انہیں الگ الگ ناموں سے مخاطب کیا گیا ہے۔

❁ اہل فسق بھی منافقین کی طرح مسلم معاشرے میں موجود ہوتے ہیں، جو اسلام تو قبول کر لیتے ہیں لیکن ایمان ان کے دل کی گہرائی میں نہیں اترتا۔لہذا اسلامی احکام پر اہل ایمان کی سی پابندی نہیں کرتے۔

❁ قرآن ہدایت کی کتاب ہے۔اسے کتاب مبین کہا گیا ہے یعنی ہر بات کو واضح طور پر لوگوں کے سامنے کھول کھول پیش کر دینے والی کتاب۔قرآن مختلف چھوٹی بڑی چیزوں کی مثالیں دے کر اپنی بات اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ مخاطب اسے واضح طور پر سمجھ جائے۔کسی کلام کی یہ

خصوصیت ہوتی ہے کہ مخاطب کے ذہن میں بات اس طرح اتر جائے کہ اسے کسی طرح کا کوئی اشکال باقی نہ رہے۔ اب اسی خصوصیت کو فاسقین عیب بنا کر پیش کرتے ہیں۔ کفر و ہٹ دھرمی کی روش کو منطقی جامہ پہنانے کے لئے ایک نامعقول اعتراض کرتے ہیں کہ کلام الہیٰ میں اتنی چھوٹی چھوٹی مثال نہیں ہونی چاہئے۔ خدا کی ذات بہت اعلیٰ ہے۔ آخر اس کے کلام میں ان حقیر چیزوں کی مثال کیوں پیش کی جائے؟

❁ مثال پیش کرنے سے معاملے کی وضاحت ہو جاتی ہے، مخاطب کے ذہن میں کسی قسم کا شبہ نہیں رہتا اور مخاطب قائل کی بات کے تہہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اگر کسی کے متعلق مثال دے کر بات کی جائے تو وہ بے نقاب ہو جاتا ہے۔ قرآنی مثالوں کے ذریعہ خود کو بے نقاب ہوتا دیکھ، فاسقین یہ اعتراض کرنے لگے کہ خدا کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اتنی چھوٹی چھوٹی چیزوں کی مثال دے۔ اس طرح خود کو بے نقاب ہونے سے بچانے کے لئے وہ لوگوں کا رخ ایک غیر مناسب بحث کی طرف پھیرنا چاہتے تھے۔ اسلام کے خلاف ایسے مباحثے بنام انٹلیکچول ڈیبیٹ آپ آج بھی دیکھ، سُن سکتے ہیں۔ مثلاً آخر خدا جیسی ذات اعلیٰ کو ہمارے پانچ وقت کی نماز کی کیا ضرورت ہے؟ آخر خدا کو ایک جانور ذبح کرنے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ (نعوذ باللہ)۔

❁ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس میں کوئی شرم کی بات نہیں کہ اتنی بڑی ہستی چھوٹی چھوٹی چیزوں کی مثال دے کر مخاطب کو اپنی بات سمجھائے۔ بات تو مخاطب کے ذہن کو سامنے رکھ کر ہی کی جاتی ہے۔ وہ تو مثالیں اس لئے پیش کرتا ہے کہ اہل ایمان حق کو مزید پہچان لیں اور ان کے ایمان میں مزید استحکام پیدا ہو نیز وہ لوگ جو اہل ایمان کا لبادہ اوڑھ کر مومنین کی صفوں میں شامل ہیں اور اب تک فسق میں مبتلا ہیں وہ بے نقاب ہو جائیں۔ اپنی ہٹ دھرمی اور انکار کے سبب مزید گمراہی میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں تا کہ اہل ایمان کے سامنے ان کی گمراہی مزید آشکار ہو جائے۔

ترجمہ آیت ۲۷ تا ۲۹: اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ دیتے ہیں۔ اللہ نے جسے جوڑنے کا حکم دیا ہے، اسے کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ تم اللہ کے ساتھ کفر کا رویہ کیسے اختیار کرتے ہو؟ حالاں کہ تم بے جان تھے، اس نے تم کو زندگی عطا کی، پھر وہی تمہاری جان سلب کرے گا، پھر وہیں تمہیں پلٹ کر جانا ہے۔ وہیں تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں، پھر اوپر کی طرف توجہ فرمائی اور سات آسمان استوار کیے اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

تشریح و توضیح:

❁ ان آیات میں فاسق کے رویے کی وضاحت کی جارہی ہے:

- اللہ سے عہد کر کے اسے توڑ دیتے ہیں۔
- وہ تمام تعلقات جسے اللہ و رسول نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹ ڈالتے ہیں۔
- اللہ کی زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔
- حقوق اللہ کے ادا کرنے کا جو عہد نبی اکرم ﷺ سے کیا تھا وہ ادا نہیں کرتے بلکہ اسے ضائع کرتے ہیں۔
- اہل ایمان کی صف میں شامل ہونے کے بعد وہ تمام احکام جن کا تعلق معاشرے و اجتماعیت سے وابستہ ہوتا ہے انہیں انجام نہیں دیتے۔ مثلاً رسول ﷺ کے حقوق، دوسرے مومنین کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، اہل خانہ کے حقوق، مسلم حکم رانوں کے حقوق، مسلم رعایا کے حقوق وغیرہ۔ سب اس میں شامل ہیں۔
- اسلام جن بنیادوں پر معاشرہ و ملک کی تشکیل کرتا ہے ان بنیادوں میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسے بھی فساد فی الارض کہا جا سکتا ہے۔
- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے لوگ فاسق ہیں جو خسارے میں رہیں گے۔

❁ پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نصیحت کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم اللہ کا انکار آخر کس بنا پر کرتے ہو؟ تم مردہ تھے۔ باپ کے صلب میں قطرے اور مادرِ رحم میں گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں۔ اللہ نے تمہیں زندگی عطا کی، پھر وہ تمہیں موت دے گا پھر زندہ کرے گا اور پھر اسی خدا کی طرف پلٹائے جاؤ گے جس کا تم آج انکار کر رہے ہو۔

❁ اللہ ہی نے تمہارے لئے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا، پھر جب وہ زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کر چکا تو پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور سات آسمان بنائے۔ اتنے اہتمام سے اس کائنات کی تخلیق یوں ہی بلاوجہ نہیں کی۔ وہ تمہارے اعمال کا حساب بھی لے گا۔ جان لو کہ وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ تمہارا کوئی عمل اس کے علم سے باہر نہیں۔

نصب العین سے انحراف

مصطفیٰ مشہورؒ

انحراف کی سب سے سنگین صورت نصب العین سے انحراف ہے اوراس سے چوکنا رہنانہایت ضروری ہے۔دعوت اسلامی کی راہ میں ہمارا مقصود اللہ کی ذات ہے۔اس سے انحراف کے معنی ہیں غیر اللہ کو مقصود ٹھہرانا یا اللہ کے ساتھ دنیوی اغراض ومقاصد یا ذاتی خواہشات کو شریک کرنا۔نصب العین سے معمولی سا انحراف بھی اعمال کو بے قیمت اور ناپسندیدہ بنادیتا ہے۔نفس انسانی کے ساتھ خواہش اور شیطان لگے ہوئے ہیں ۔ شیطان توابن آدم کی رگوں میں خون کی مانند دوڑ رہا ہے۔وہ بغیر کسی تکان کے ہمیشہ اس فکر میں رہتا ہے کہ انسان کی عبادت اوراس کی جدوجہد کو برباد کردے، اس کے اعمال اوراس کے اجر کو ضائع کردے۔ریا،غرور،تعلّی،قیادت کی خواہش،خود کو نمایاں کرنے کی خواہش ،دنیوی اغراض کے لئے منصب،جاہ وجلال اوراقتدار کی آرزو،ان کے علاوہ دوسرے دنیوی مقاصد، یہ سب کے سب ایسے امراض قلب ہیں جو انسان کواس کے نصب العین سے منحرف کردیتے ہیں۔یہ امراض جسمانی امراض سے زیادہ خطرناک ہیں، کیوں کہ یہ انسانی روح کو متاثر کرتے ہیں اوران کے اثرات دنیا سے لے کر آخرت تک دراز ہوتے ہیں۔یہ امراضِ قلب انسان کی نیت میں فساد پیدا کرکے اس کے اعمال کو ضائع کر دیتے ہیں۔

دل کے امراض سے کوئی انسان خالی نہیں ہے لیکن مومن ایمانی قوت،تقوی اوراللہ کی ہرآن موجودگی کے تصور کے ذریعے سے ہمیشہ ان امراض کا مقابلہ کرتا رہتا ہے، انہیں دباتا رہتا ہے اوراللہ کے یہاں ملنے والے اجرکو دنیوی اغراض پرترجیح دیتا ہے، اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو اس کے لئے صلہ ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔مومن ہر وقت اپنے نفس کو سنوارنے کی جدوجہد میں لگا رہتا ہے تاکہ اس کے ذریعے وہ اللہ سے قریب ہوسکے۔ قد افلح من زکھا وقد خاب من دسّھا (الشمس)

ترجمہ : فلاح پاگیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اورنامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبادیا۔

نصب العین سے انحراف کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان مکمل طور پر دنیوی اغراض و مقاصد کی طرف متوجہ ہوجائے اوراللہ کی ذات سے بالکل برگشتہ ہوجائے بلکہ ان اغراضِ دنیوی کی معمولی مقدار بھی اگر نیت میں جگہ پاجائے تو یہ ایسا انحراف ہوگا جو اعمال کو ضائع کرنے اوراس کو اخلاص کے دائرے سے نکالنے کے لئے کافی ہے۔

نصب العین سے انحراف نیت کی خرابی کی وجہ سے ہوتا ہے۔نیت کی جگہ دل ہے،اس لئے بسا اوقات دل کے اندر انحراف پیدا ہوجاتا ہے،مگر اس کا شعور ایک طویل مدت گزرنے کے بعد اس وقت ہوتا ہے جب اس کی علامتیں سر اٹھانا شروع کردیتی ہیں اور بالکل نمایاں ہوجاتی ہیں۔اس وقت تک وہ دوسروں کو بگاڑ چکا ہوتا ہے یا اپنے برے اثرات چھوڑ چکا ہوتا ہے۔خاص طور پر جب وہ کسی ذمہ دارانہ منصب پر ہو۔آخر کار ایسے امراض رکھنے والے لوگوں کو جماعت سے علاحدہ کرنا ضروری ہوجاتا ہے الا یہ کہ وہ لوگ باز آجائیں اوراپنے دلوں کو پاک اوراپنی نیتوں کو خالص کرلیں۔چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دعوت اسلامی کے اندر ناپسندیدہ عناصر کے چھانٹنے کا عمل برابر جاری ہے اوراللہ کے حکم سے خیر پسند لوگ اس دعوت سے وابستہ ہوتے رہتے ہیں اورا سکے برعکس جذبات رکھنے والے لوگ

علیحدہ ہوتے رہتے ہیں۔اسی طرح ابتلاء وآزمائش، جس سے دعوتِ اسلامی کا گزرنا ناگزیر ہے، اللہ کی ایسی سنت ہے جس کے ذریعہ وہ تحریک اسلامی کی صف میں صفائی کرتا رہتا ہے۔اس طرح اس سنت کے ذریعہ سے مخلص اور غیر مخلص کارکنوں کے درمیان فرق کیا جاتا ہے۔

''کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا حالاں کہ ہم ان سب کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کو تو یہ ضرور دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون؟''(القرآن)

اخلاص کی ضرورت واہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے بہت سی قرآنی آیتیں اور احادیث موجود ہیں جن سے آپ بہ خوبی واقف ہیں۔اخلاص کی اسی اہمیت کے پیش نظر حسن البناءؒ نے دعوت اسلامی کی راہ میں چلنے کے لئے دس ارکان میں سے اس کو ایک لازمی رکن قرار دیا ہے۔

اب ہم اس نوع کے انحراف سے متعلق اپنے کچھ تاثرات پیش کر رہے ہیں جسے ہم نے دعوتی میدان میں اپنی زندگی کے درمیان محسوس کیا ہے۔توقع ہے کہ لوگ ان شاءاللہ اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

❁

بسا اوقات ہمارا ایک کارکن ابتلاء وآزمائش کی سختیوں میں کامیاب ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ ہر طرح کے فتنوں سے نجات پا گیا۔لیکن جب وہ دنیا اور متاع دنیا کے فتنے سے دوچار ہوتا ہے تو اس میں ناکام ہو جاتا ہے۔ہمیں اس سے ہوشیار رہنا چاہئے۔پھر اعداء اللہ نے دعوتِ اسلامی کے علم بردار کے ساتھ اپنی جنگ میں ایذاء اور تعذیب کے فتنے کے ساتھ ساتھ جاہ ومنصب اور اس کے علاوہ دوسرے ذرائع ووسائل کے فتنے کو آزمانے کی کوشش بھی کی ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ اس سلسلے میں وہ لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں جن کا گمان یہ ہے کہ ان مناصب اور ذرائع ووسائل کے ذریعہ سے اسلامی مقاصد کے ساتھ استحکام اور غلبے کا کام ہوگا۔حقیقت میں یہ لوگ جھوٹے ہیں۔یہ بات اچھی طرح جان لیں کہ دنیا مومن کے لئے نہ جائے قرار ہے اور نہ جائے عیش وآرام بلکہ بسا اوقات خوش حالی کے نتیجے میں سستی اور کاہلی آتی ہے۔

❁

غرور کی بیماری کی علامتوں میں ہم نے دیکھا ہے کہ ایک کارکن اپنے تجربے، ذہانت، حسن تدبیر، فن سیاست میں مہارت اور اس کے اسالیب سے واقفیت اور اپنے دشمنوں کے ساتھ پینترے بازی کے فن کے سبب اپنے آپ کو دوسروں سے نمایاں سمجھتا ہے اور اپنے دوسرے ساتھیوں پر بڑائی جتاتا ہے۔ان کے کام کو کم وزن دیتا ہے چاہے وہ دعوت کے میدان میں اس سے کتنے ہی آگے کیوں نہ ہوں۔ایسے لوگوں کے ہاتھوں اگر دعوت اسلامی کے لئے خیر کا کوئی کام انجام پاتا ہے تو وہ اسے اپنی صلاحیت اور عبقریت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق وتائید کو بھول جاتے ہیں۔ان لوگوں کا رویہ ہمیں قارون کی منطق یاد دلاتا ہے، جس نے کہا تھا: '' انما اوتیته علی علم عندی (القصص:۷۸) ''یہ سب مجھے اس علم کی بنا پر دیا گیا ہے جو مجھ کو حاصل ہے۔

❁

اس طرح ہم نے دیکھا ہے کہ جن لوگوں کو قیادت اور لیڈرشپ کا مرض لاحق ہو جاتا ہے وہ افراد کو جماعت کے مقابلے میں شخصیت سے مربوط رکھنے کے زیادہ خواہش مند ہوتے ہیں۔ان سے وہی لوگ زیادہ قریب ہوتے ہیں جو ان کی اس خواہش کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔اس لئے شخصیات سے ربط کے سلسلے میں ہمیشہ چوکنا رہنا ضروری ہے خواہ ان کا مرتبہ ومقام کچھ بھی ہو۔

❁

یہ بات معلوم ہو کہ جس شخص کے اندر ان امراض کی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں، وہ اپنے اندر کسی مرض کے وجود کا اعتراف نہیں کرتا۔اعتراف نہ کرنا ایسا کبھی تو اس مرض سے اس کی ناواقفیت کے سبب ہوتا ہے اور کبھی ابلیس کی حسن کاری کے سبب۔کبھی وہ اپنے مرض کو اس لئے بھی نظر انداز کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعے سے وہ کوئی خاص موقف اختیار کر سکے اور بسا اوقات اپنی ذاتی پالیسیوں کے جواز کے لئے کہتا ہے کہ یہ تحریک کے مفاد میں ہیں، ان کے پیچھے میری کوئی ذاتی غرض نہیں ہے۔مثلاً وہ کسی ایسی حکومت کی وزارت میں شریک ہوتا ہے جو شریعت الٰہی کے مطابق فیصلے نہیں کرتی اور دوسروں کو الزام دیتا ہے کہ اس طرح کے اقدامات سے دعوت کو کتنا فائدہ ہوگا، دوسرے لوگ اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔اگر یہ مان لیں کہ وہاں دعوت

اسلامی کا مفاد کچھ بھی ہے تو کیا اس شخص کو تنہا یہ فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے؟

❁

بعض لوگ حسن نیت کی بنیاد، ایسے لوگوں سے خوشامدانہ رویہ پر رکھتے ہیں اور ایسا اس خوف سے کرتے ہیں کہیں جماعت کے اندر دراڑ نہ پڑ جائے اور جماعت ان لوگوں کی کاوشوں سے محروم نہ ہو جائے یا بعض دوسرے اسباب ہوتے ہیں جن کے باعث لوگ ایسے لوگوں کے ساتھ لچک دار رویہ اختیار کرتے ہیں۔ لیکن یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ایسے لوگوں کے امراض کے علاج کی حتی المقدور کوشش کر لینے کے بعد، اصلاح نہ ہونے کی صورت، میں ان کا جماعت کے اندر باقی رہنا زیادہ سنگین اور مضر ہے۔ ان کے جماعت کے اندر باقی رہنے سے انحراف کو پیر جمانے کا موقع مل جائے گا، دوسرے لوگ ان سے متاثر ہوں گے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جماعت کی صف میں آزاد روی، من مانی اور عدم اطاعت کا دروازہ کھل جائے گا اور آخر کار یہ ہرگز نہیں کہا جائے گا کہ فلاں شخص منحرف ہو گیا ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ منحرفین کی موجودگی کے باعث جماعت کے اندر کمی آ گئی ہے۔

اپنے ہی بیگانے

تحریک سے متعارف ہونے اور اپنی زندگی کو اسلام کے لئے وقف کر دینے کے بعد ایک آزمائش یہ بھی سامنے آتی ہے کہ والدین اور رشتہ دار ناراض ہو جاتے ہیں، گھر سے نکال دیتے ہیں اور مال و دولت سے محروم کر دینے کی دھمکی دیتے ہیں۔ صحابۂ کرام کو اسی طرح کی آزمائشوں کا مقابلہ کرنا پڑا تھا لیکن انہوں نے اسلام کے آگے ان چیزوں کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

● حضرت زبیر بن العوامؓ کو ان کا چچا ایک چٹائی میں لپیٹ کر لٹکا دیتا تھا اور نیچے سے دھونی دیتا اور کہتا جاتا تھا کہ اسلام سے رجوع کر، مگر وہ برابر یہی جواب دیئے جاتے تھے کہ میں کفر نہیں کرونگا۔

● حضرت عثمانؓ کو ان چچا کے حکم نے باندھ دیا اور کہا: تو باپ دادا کا دین چھوڑ کر محمدؐ کا دین قبول کرتا ہے؟ میں تجھے نہیں کھولوں گا جب تک تو اس دین کو نہ چھوڑ دے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اسے نہیں چھوڑوں گا خواہ کچھ بھی ہو جائے۔

● حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو ان کی ماں نے بے حد تنگ کیا مگر وہ دین سے نہ ہٹے۔ آخر تنگ آ کر ماں نے نفسیاتی حربہ استعمال کیا اور کہا: ''جب تک تو محمدؐ کا انکار نہ کرے گا میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی، نہ سایے میں بیٹھوں گی۔ ماں کا حق ادا کرنا تو اللہ کا حکم ہے تو میری بات نہ مانے گا تو اللہ کی بھی نافرمانی کرے گا۔'' وہ اس پر سخت پریشان ہوئے۔ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر ماجرا عرض کیا۔ جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت اتری۔

''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی ہدایت کی ہے لیکن اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو، تو ان کی بات نہ مان'' (العنکبوت)

● حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص کو جب پتہ چلا کہ ان کے باپ ابو اُحیمہ کو ان کے مسلمان ہونے کا علم ہو گیا تو وہ اس کے ڈر سے چھپ گئے مگر اس نے تلاش کر کے پکڑوا لیا اور سخت سست کہنے کے بعد ان کو اتنا مارا کہ وہ لکڑی ٹوٹ گئی جس سے وہ انہیں مار رہا تھا۔ پھر کہا کہ تو نے محمدؐ کی پیروی اختیار کی ہے حالاں کہ تو دیکھ رہا ہے کہ وہ اپنی قوم کی مخالفت کر رہا ہے، دین آبائی میں عیب نکال رہا ہے اور ان اسلاف کو گمراہ قرار دے رہا ہے جو اس دین کی پیروی کرتے رہے ہیں۔ حضرت خالدؓ نے کہا: خدا کی قسم! وہ سچے ہیں اور میں ان کا پیرو ہوں۔ ابو اُحیمہ نے ان کو پھر مارا اور گالیاں دیں اور کہا: نالائق! جہاں تیرا جی چاہے چلا جا، میرے گھر میں تجھے کھانا نہیں ملے گا۔ انہوں نے کہا: ''آپ میرا رزق بند کر دیں گے، تو اللہ مجھے رزق دے گا۔'' پھر وہ حضورؐ کے پاس آئے اور آپؐ کے پاس ہی رہنے لگے۔ ایک روز مکہ کے نواحی میں کسی سنسان جگہ نماز پڑھ رہے تھے کہ ابو اُحیمہ کو اس کی خبر ہو گئی۔ اس نے بلا کر ان سے کہا ''دین محمدؐ چھوڑ دیے'' انہوں نے جواب دیا میں مرتے دم تک یہ دین نہیں چھوڑوں گا۔ یہ جواب سن کر ابو اُحیمہ نے ان کے سر پر لکڑی مارنی شروع کی یہاں تک کہ لکڑی ٹوٹ گئی۔ پھر انہیں قید کر دیا اور تین دن تک بھوکا پیاسا بند رکھا۔ مکہ کی گرمی میں حضرت خالدؓ یہ عذاب جھیلتے رہے، آخر موقع پا کر گھر سے بھاگ نکلے۔

اسلامی تحریک کے یہ واقعات ہم سے بھی کچھ تقاضہ کرتے ہیں۔ کیا ہم ان پر لبیک کہنے کے لئے تیار ہیں؟

''خلافت وملوکیت'' ایک جائزہ

محمد انس فلاحی مدنی

وقفے وقفے سے بالخصوص ماہِ محرم الحرام میں سوشل میڈیا پر مولانا مودودیؒ (م1979) کی شخصیت اور ان کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' پر بحث چھڑ جاتی ہے۔ بحث نئی ہوتی ہے نہ دلائل نئے ہوتے ہیں، البتہ لوگ ضرور نئے آجاتے ہیں۔مولانا مودودیؒ کے افکار و نظریات پر نقد وتنقید اس سے قبل بارہا ہو چکی ہے، اس کے لئے باقاعدہ شعبے قائم کئے گئے، کتابیں لکھی گئیں، پمفلیٹ تقسیم کیے گئے۔

علمی نقد جس کی ضرورت تھی، وہ خوب ہوا۔ بہ ہرحال اس کی ضرورت ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ علمی نقد کرنے والوں میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے ''تحریک جماعتِ اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ''، مولانا علی میاں ندویؒ نے ''عصرِ حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح''، مولانا منظور نعمانیؒ نے ''مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت'' اور مولانا وحید الدین خان نے ''تعبیر کی غلطی'' لکھی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی تنقیدیں باوزن سمجھی گئیں۔

اس کے علاوہ بھی بے شمار کتابیں لکھی گئیں، ہزاروں سے زائد مضامین اب تک لکھے جا چکے ہیں، جن کے بارے میں یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ان مصنفین کی کتابیں اور تحریریں اُردو خزانے میں ردّی کا ڈھیر ثابت ہوئیں ہیں۔

مولانا مودودیؒ کے دفاع میں بھی بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ان میں سب سے اہم مولانا عامر عثمانیؒ کی کتابیں ''جماعت اسلامی کا جائزہ''، ''تجلیاتِ صحابہ'' (خلافت وملوکیت کے اعتراضات کے جواب میں) ''تفہیم القرآن پر اعتراضات کی علمی کمزوریاں'' (مرتب سید مطہری امروہوی) ہیں ۔ اس کے علاوہ مولانا ملک غلام علیؒ کی کتاب ''خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ''، مولانا مفتی محمد یوسف کی ''مولانا مودودیؒ پر اعتراضات کا علمی جائزہ'' (دو جلدیں) اور مولانا سید حامد علیؒ کی کتاب ''قرآنی اصطلاحات اور علمائے سلف وخلف''، یہ کتابیں فکرِ مودودیؒ کی وضاحت کے لئے علمی انداز میں لکھی گئی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مولانا مودودیؒ کی شخصیت پر بھی بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔مولانا یوسف بھٹہ کی ''مولانا مودودیؒ اپنی اور دوسروں کی نظر میں''، تذکرہ سید مودودیؒ'' (مرتب: مولانا خلیل احمد حامدی)، ابوالاعلیٰ مودودیؒ علمی وفکری مطالعہ (مرتبین رفیع الدین ہاشمی، سلیم منصور خالد)، سید حمیرہ مودودی کی ''شجر ہائے سایہ دار''، ترجمان القرآن کے دو خصوصی شمارے (مطبوعہ: نومبر ۲۰۰۳ء ومئی ۲۰۰۴ء) اور علامہ یوسف القرضاوی کی کتاب ''نظرات فی فکر الامام المودودیؒ'' کا ترجمہ ''امام مودودی ایک مصلح، ایک مفکر، ایک مجدد'' (مترجم ابوالاعلیٰ سید سبحانی) مولانا مودودی کی شخصیت اور کردار کو جاننے اور سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔

مولانا مودودی کا علمی وفکری کام:

مولانا مودودیؒ کی عظمت اور قبولیت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ ان کی اکثر کتابوں کے چالیس اور بعض کے ۷۵ زبانوں مین ترجمے ہو چکے ہیں ۔بالخصوص ''رسالۂ دینیات، خطبات، پردہ، الجہاد فی الاسلام'' کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے، جہاں ان کی تحریر وتحریک کے اثرات مرتب نہ ہوئے ہوں۔ کفر والحاد اور مغرب زدہ طبقہ آپ کی کتابوں کے ذریعے ہی اسلام پر نہ صرف گامزن ہوا بلکہ اسلام کا علم بردار بن گیا۔خدا نے ان کی تحریر میں وہ تاثیر رکھی ہے کہ قاری اسلام کو سمجھنے اور ماننے پر ہی صرف اکتفا نہیں کرتا بلکہ مسلمان ہونا اپنے لئے

باعثِ شرف سمجھتا ہے اور اس کا داعی بن جاتا ہے۔

اسلامیات پر مولانا مودودیؒ کے لٹریچر نے قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ کوئی موضوع ایسا نہیں ہے جس پر مولانا مودودیؒ کی تحریریں موجود نہ ہوں چاہے وہ تفسیر، حدیث، فقہ، سماجیات، معاشیات اور سیاسیات ہی کیوں نہ ہو۔

مولانا مودودیؒ کی تفہیمات (۵ جلدیں)، تنقیحات، استفسارات (۳ جلدیں) اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی اور اسلامی ریاست یہ سب اسلام اور نظام اسلام کی تشریح وتوضیح اور مغربی تہذیب ___ جس کے مسلمان دلدادہ ہوتے جارہے تھے ___ کا بے لاگ وبے باک تنقیدی جائزہ ہے۔

منکرین حدیث کے فتنے کے سلسلے میں جہاں دیگر علمائے کرام کی کوششیں قابل قدر ہیں، وہیں مولانا مودودیؒ کی کوششیں بھی قابل ذکر ہیں۔ اس فتنے کی بیخ کنی میں مولانا مودودیؒ کی کوششوں کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ 'سنت کی آئینی حیثیت' اور 'رسائل ومسائل (۵ جلدیں)' میں مولانا مودودیؒ نے منکرین حدیث کے اعتراضات کے علمی وعقلی جوابات دیے ہیں، حدیث وسنت کی قانونی اور شرعی حیثیت کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی قادیانیوں کے خلاف آپ کی کوششیں قابل قدر ہیں۔ اس فتنے کی سرکوبی کے لئے آپ نے ''قادیانی مسئلہ'' نامی کتاب لکھی جس کی پاداش میں پھانسی کی سزا بھی سنائی گئی تھی۔

غرض یہ کہ مولانا مودودیؒ نے اندرون و بیرون سے آنے والے فتنوں کی نہ صرف نشاندہی اور تنقید کی بلکہ ساتھ ہی دنیا کے سامنے اسلام کو قابل عمل نظام کے طور پر پیش کیا۔ اسلامی نظامِ زندگی، اسلامی قانون اور اسلامی معیشت وتجارت کو دنیا کے سامنے متبادل کے طور پر پیش کیا۔

''خلافت وملوکیت'' ایک جائزہ:

مولانا مودودیؒ کی اس تصنیف کو سب سے زیادہ تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے اور بنایا جاتا ہے۔ یہ کتاب نصف صدی قبل ۱۹۶۶ء میں منظر عام پر آئی۔ اس کے رد میں متعدد کتابیں اور مضامین منظرِ عام پر آئے۔ اس کتاب کی وجہ تصنیف اور موضوعِ تصنیف کا ذکر کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ رقم طراز ہیں:

''آج جو لوگ بھی علمِ سیاست کے سلسلے میں اسلامی نظریۂ سیاست کا مطالعہ کرتے ہیں، ان کے سامنے ایک طرف تو وہ نظام حکومت آتا ہے جو رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں قائم تھا اور دوسری طرف وہ بادشاہی نظام آتا ہے جو بعد کے ادوار میں ہمارے ہاں چلتا رہا۔ دونوں کے درمیان اصول، مقاصد، طریق کار، روح ومزاج کا نمایاں فرق محسوس کرتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے ان دونوں کی یکساں اطاعت کی ہے، دونوں کے تحت جہاد ہوتا رہا ہے۔ قاضی احکامِ شریعت نافذ کرتے رہے اور مذہبی وتمدنی زندگی کے سارے شعبے اپنی ڈگر پر چلتے رہے۔ اس سے لازماً سیاست کے ہر طالب علم کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اصل اسلامی نظریۂ سیاست کیا ہے؟ کیا یہ دونوں بیک وقت اور یکساں اسلامی نظام ہیں؟ یا اسلامی نقطۂ نظر سے ان کے درمیان کوئی فرق ہے؟ اور اگر فرق ہے تو ان دونوں کے تحت مسلمانوں نے جو بظاہر ایک سا طرزِ عمل اختیار کیا ہے اس کی کیا توجیہ ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ دماغوں کو ان سوالات پر سوچنے سے کیسے روکا جاسکتا ہے اور ان کا جواب آخر کیوں نہ دیا جائے۔(۱)

یہی فکر اس کتاب کی وجہِ تصنیف بنی۔ یہ کتاب نو ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کے ابتدائی ابواب ''قرآن کی سیاسی تعلیمات، اسلام کے اصولِ حکمرانی، خلافتِ راشدہ کی خصوصیات'' پر مبنی ہیں جو انتہائی اہم ابواب ہیں۔ اس کتاب کے رد میں مولانا تقی عثمانی صاحب نے اپنی کتاب ''حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق'' لکھی۔ مفتی تقی عثمانی صاحب نے اپنی اس حصے سے بحث کی ہے جس کا تعلق حضرت معاویہؓ سے ہے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب کے اعتراضات کا جواب مولانا غلام علیؒ صاحب نے اپنی کتاب ''خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ'' میں تفصیل سے دیا ہے لیکن مفتی تقی صاحب نے اصل موضوع پر گفتگو نہیں کی ہے، یعنی خلافت سے ملوکیت کا سفر کیسے شروع ہوا۔ ان کی کتاب صرف ''خلافت وملوکیت'' میں منقول مواد کی تصحیح وتضعیف پر مشتمل ہے۔ اس کے رد میں دوسری کتاب صلاح الدین یوسف صاحب نے ''خلافت وملوکیت تاریخی وشرعی حیثیت'' لکھی۔ اس میں منقولہ مواد کی تصحیح وتضعیف کے ساتھ کتاب کے اصل مسئلے سے بھی کسی حد تک بحث کی گئی ہے۔

''خلافت وملوکیت'' لکھے ہوئے نصف صدی سے زائد کا زمانہ گزر چکا ہے۔ اس پر جو

اعتراضات ہوسکتے تھے اس کے جوابات دیے جاچکے ہیں۔ اس میں مولانا مودودیؒ نے صرف اتنا کام کیا ہے کہ تاریخ کی کتابوں میں اس موضوع سے متعلق جو مواد محفوظ تھا اسے ایک خاص ترتیب سے نقل کردیا ہے۔ اس سے اختلاف کی پوری گنجائش ہے۔

''خلافت وملوکیت'' کو پڑھتے وقت اس کے موضوع کو سامنے رکھنا چاہئے۔ اس حوالے سے مولانا ملک غلام علیؒ اپنی کتاب کے دیباچے میں رقم طراز ہیں:

''مناقبِ صحابہؓ یا مشاجرات صحابہؓ سرے سے اس کتاب کا اصل موضوع بحث ہی نہیں ہے، بلکہ جن مسائل پر اس کتاب میں کلام کیا گیا ہے ان کے سلسلے میں یہ بحث ایک ناگزیر علمی ضرورت کے طور پر آئی ہے اور جو شخص بھی ان مسائل سے تعرض کرے گا اسے لازماً اس بحث سے سابقہ پیش آئے گا۔''(۲)

اس کتاب کے رد میں لکھی گئی کتابیں پڑھنے کے ساتھ ساتھ مولانا عامر عثمانیؒ کی کتاب تجلیاتِ صحابہؓ اور مولانا ملک غلام علی کی کتاب ''خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ'' بھی ضرور پڑھنا چاہئے۔ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ مذکورہ دونوں کتابیں ''خلافت وملوکیت'' کا تتمہ اور تکملہ ہیں۔ یہاں ''خلافت وملوکیت'' کے تعلق سے مدیر ''تجلّی'' مولانا عامر عثمانیؒ کی رائے کا تذکرہ بے سود نہ ہوگا۔ مولانا عامر عثمانیؒ رقمطراز ہیں:

''خلافت وملوکیت'' ایک ایسے شخص کی تصنیف ہے جو ایک طرف علم وتفقہ کا پہاڑ ہے اور دوسری طرف دینِ حق سے اس کی محبت سورج کی طرح عیاں ہے۔ لہٰذا اس کا رد (۳) بکواس کے ذریعے نہیں بلکہ علم وتحقیق ہی کے ذریعے کیا جانا چاہئے۔ اس فیصلے پر پہنچ کر ہم نے خود کو امہاتِ کتب کے حضور پہنچایا اور کم وبیش دو ماہ اس طرح گزارے کہ چوبیس گھنٹوں میں فقط چار گھنٹے سوئے، ایک وقت میں ایک روٹی سے زیادہ نہیں کھائی، فرائض وواجبات اور حوائجِ ضروریہ کے علاوہ دنیا کے ہر شغل سے کٹ گئے۔ ارادہ ظاہر ہے کہ ''خلافت وملوکیت'' کے خلاف مواد حاصل کرنے ہی کا تھا، لیکن یہ اعتراف کرنے میں ہمیں کوئی جھجک نہیں کہ جوں جوں مطالعہ وسیع ہوتا گیا یہ حقیقت ہمارے سامنے ابھرتے ہوئے سورج کی طرح آتی چلی گئی کہ متعلقہ موضوع پر ہمارے بعض مزعومات کم علمی پر مبنی تھے جن کی وکالت ہم اس خوش فہمی میں کر رہے تھے کہ حق یہی ہے۔ ہم پر کھلتا گیا کہ ''خلافتِ معاویہؓ ویزیدؒ''(۴) ایک فریب ہے جو تاریخِ اسلام کے ساتھ کیا گیا ہے اور ''خلافت وملوکیت'' اس فریب کا ایک ایسا علمی جواب ہے جو محققین سلف کے ذہن کا ترجمان، محدثین وفقہا کے موقف کا امین اور قرآن وسنت کی صداقتوں کا سرمایہ دار ہے۔ ہم نے صاف دیکھا کہ ''خلافت وملوکیت'' کے ردّ میں لکھی ہوئی تحریروں میں بعض انتہائی بددیانتی پر مبنی ہیں، بعض جہالت وحماقت پر اور بعض غلط فہمی اور مغالطے پر حتیٰ کہ بعض اہلِ علم اور اربابِ تقوی نے بھی دانستہ ونادانستہ حق وصداقت کا خون کیا ہے اور ''ردِّ مودودی'' کا جذبہ ان کے محاسبۂ آخرت کے احساس پر غالب آگیا ہے۔

''خلافتِ معاویہؓ ویزیدؒ'' کی حمایت ہم نے ازراہِ جہل کی تھی۔ سچائی وہ نہیں جس کی صورت گری اس کتاب میں کی گئی ہے، بلکہ سچائی وہی ہے جو مولانا مودودیؒ 'خلافت وملوکیت' میں منقح کررہے ہیں۔ جزئیات کا معاملہ تو الگ ہے کہ دنیا کی کونسی کتاب سوائے قرآن کے سہو وخطا اور لغزش وقصور سے بچی ہوئی ہے، مگر بنیاد، سمت، اصول اور حقائق کے لحاظ سے ''خلافت وملوکیت'' حرفِ آخر ہے۔ اس کی زبان، اس کا لہجہ، اس کا دروبست، اس کا مواد، اس کی آؤٹ لائن اور اس کی معنوی دراست سب نے مل کر بہ حیثیت مجموعی اس کتاب کو ایسا شاہکار بنادیا ہے جس کی کوئی نظیر ناچیز کے علم ومطالعہ کی حد تک اسلامی لٹریچر میں نہیں ہے۔''(۵)

یہ سطریں آج سے تقریباً نصف صدی قبل لکھی گئی تھیں۔ لیکن سوشل میڈیا کے دانشور اس سے ناواقف ہیں۔ اسی کے پیشِ نظر یہاں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مولانا عامر عثمانیؒ کی شخصیت، علم وتفقہ اور ان کے خانوادے کی خدمات سب پر عیاں ہیں۔ اس حوالے سے ان کی رائے بہت اہمیت کی حامل ہے۔

میں نے بیشتر لوگوں کو دیکھا کہ وہ مولانا مودودیؒ کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' کی آڑ میں ان پر اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ کہتے ہیں انہوں نے اس کتاب میں صحابہؓ کی توہین کی ہے، جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کتاب آپ نے پڑھی ہے؟ پتا چلتا ہے کہ کتاب کا پڑھنا تو دور، دیکھی بھی نہیں ہے، صرف سنی سنائی باتوں کو ہی کسی شخصیت کو مجروح یا مقبول کرنے کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ یہ کس قدر زیادتی کی بات ہے کہ جس

شخص سے لاکھوں لوگوں کے دلوں میں اسلام کی حقانیت وصداقت گھر کرگئی اس پر یہ الزام لگایا جائے کہ وہ صحابہؓ کا گستاخ ہے۔ یہاں مولانا مودودیؒ کے اس انٹرویو کا اقتباس پیش کرنا۔ موضوع سے غیر متعلق نہیں ہوگا جو ''مقامِ صحابہؓ اور قرآن'' کے عنوان سے تجلی میں شائع ہوا تھا۔ توہین صحابہؓ کے الزام کے سوال پر مولانا مودودیؒ نہایت خوب صورت جواب دیتے ہیں:

''تفہیم القرآن موجود ہے۔ اس میں مَیں نے جہاں کہیں فقہی مسائل یا دینی مسائل کے متعلق بحث کی ہے تو آپ دیکھیں گے کہ میں نے صحابۂ کرامؓ کے قول سے استدلال کیا ہے، جہاں کہیں صحابۂ کرامؓ کا ذکر آیا ہے میں نے بارہا یہ بات لکھی ہے کہ روئے زمین پر کبھی آفتاب نے ایسے انسان نہیں دیکھے تھے جیسے کہ رسول ﷺ کے صحابہؓ تھے، جگہ جگہ یہ حقیقت بیان کی ہے کہ تمام نوعِ انسانی کا بہترین گروہ اگر کوئی تھا وہ صحابۂ کرامؓ تھے۔ پھر میں نے بارہا یہ بات لکھی ہے کہ صحابۂ کرامؓ کا جس چیز پر اجماع ہو وہ دین میں حجت ہے، اس کا رد نہیں کیا جاسکتا، آدمی کے مسلمان (ہونے) کے لئے ضروری ہے کہ ان کے اجماع کو اسی طرح تسلیم کرے جس طرح سنت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ آپ تفہیم القرآن کو دیکھ لیجئے کہ مختلف مسائل میں صحابۂ کرامؓ کے اقوال نقل کرتا ہوں اور پھر کسی قول کو اختیار کرکے اس کی تائید میں اپنی رائے بیان کرتا ہوں۔ کیا یہ سارا کام کسی ایسے فرد کا ہوسکتا ہے جو صحابہؓ کے معاملے میں منفی ذہنیت رکھتا ہو؟''(۶)

بعض شخصیات کے تعلق سے اللہ کا بڑا کرم یہ رہا کہ ان کے افکار وکتب جہاں دنیا کی رہ نمائی اور ان کے لئے صدقۂ جاریہ بن رہی ہیں، وہیں ان کے مخالفین کی بغض وعداوت اور تعصب کے تڑکے سے لکھی جانے والی تحریریں بھی ان کے اعمال نامے میں نیکیوں کے اضافے کا سبب بن رہی ہیں۔ ان شخصیات میں امام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ)، شیخ محمد بن عبدالوہابؒ (م ۱۷۹۲ء) اور مولانا مودودیؒ سرفہرست ہیں۔ ان کے اپنے اور بیگانے، چاہنے اور نفرت کرنے والے دونوں ہی ان کے اعمال نامے میں اپنا اپنا حصہ درج کرارہے ہیں۔

مولانا مودودیؒ معصوم عن الخطاء نہیں ہیں، تنقید سے بالاتر نہیں ہیں۔ ان پر تنقید کی گئی ہے اور کی جاتی رہے گی۔ ان کے نظریات پر سب سے زیادہ تنقید تو خود جماعت کے افراد کی جانب سے کی جاتی رہی ہے۔ بالخصوص اب تو جماعت کے حلقے میں جس کو بھی اپنی دانشوری کا لوہا منوانا ہوتا ہے اس کا سفر مولانا مودودیؒ پر تنقید سے ہی شروع ہوتا ہے۔

تنقید کرنے سے قبل محلِ تنقید کا علم بھی تو ہونا چاہیے۔ تنقید کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ آپ کسی کی کوششوں اور خدمات کو یکسر ناقابلِ قبول قرار دیں۔ تنقید کا مطلب ہرگز یہ بھی نہیں ہے کہ آپ متعلقہ افراد کے افکار ونظریات کے بجائے اس کی شخصیت کے بخیہ اُدھیڑ دیں۔ تنقید کا مطلب یہ بھی نہیں کہ آپ جس پر نقد کررہے ہیں اس کی تحریر کو سیاق وسباق سے کاٹ کر من چاہا مفہوم دے کر گفتگو کرنے لگیں۔

خدارا! بغض و عداوت اور مسلکی تعصب کی وجہ سے اپنی عاقبت خراب نہ کریں۔ مولانا مودودیؒ پر تنقید کریں اور خوب کریں۔ تنقید علمی اور معروضی مطالعے کی روشنی میں ہو۔ بسا اوقات مطالعے سے نتیجہ امیدوں کے برعکس نکلتا ہے۔ کتنے ہی لوگ ایسے تھی جو مولانا مودودیؒ کی کتابوں کو کیڑے نکالنے کے لئے پڑھتے تھے، وہ ان کے دیوانے ہوگئے، وجہ یہ تھی کہ وہ ''پڑھتے'' تھے، اب لوگ ''سنتے'' ہیں اور اسے ہی منتقل کرنا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔

حواشی ومراجع

(۱) خلافت وملوکیت، ص ۳۰۱، ادارۂ ترجمان القرآن لمیٹیڈ، لاہور۔

(۲) خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ، ص ۳۲، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹیڈ، ۱۹۷۲ء۔

(۳) یہ واضح رہے کہ مولانا عامر عثمانیؒ نے اس کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد کا ردّ لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن مطالعہ وتحقیق کے بعد انہیں مولانا مودودیؒ کا موقف مضبوط نظر آیا جس کا انہوں نے برملا اظہار کیا۔

(۴) یہ محمود احمد عباسی کی کتاب ہے جو ''خلافت وملوکیت'' سے کافی عرصہ پہلے شائع ہوئی تھی۔ جس کی حمایت میں مولانا عامر عثمانیؒ نے صفحات کے صفحات سیاہ کیے تھے۔ جو ان کے کتب خانے سے بھی شائع ہوتی تھی۔ کراچی کے سفر اور محمود احمد عباسی سے ملاقات اور اس کی حقیقت جاننے کے بعد فوراً اس کی اشاعت بند کرادی تھی۔

(۵) ماہ نامہ تجلّی ص ۲۱، ۲۲۔ خلافت وملوکیت نمبر حصہ دوم، ستمبر ۱۹۷۱ء۔

(۶) ماہ نامہ تجلی، ص ۵۱، دسمبر ۱۹۷۰ء۔

☆☆☆

مروجہ نظام تعلیم کی خامیاں

معاذ احمد جاوید

اگر فرعون کو کالج کی سوجھ جاتی تو آج فرعون فکر و دانش کی ایک عظیم علامت کا نام ہوتا۔اس کے نام سے بھی ہزاروں تعلیمی ادارے، مکاتب اور لائبریریاں منسوب ہوتیں۔اس کے نظام تعلیم پر بھی بڑے بڑے سیمینار اور ریسرچ پیپر پیش کئے جاتے لیکن یہ سب کچھ نہ ہوا۔اسے کالج کی نہ سوجھنی تھی نہ سوجھی۔طریق کار کے مختلف ہوجانے کے سبب وہ ظلم و جبر کی علامت بن گیا اور دوسرے اس سے زیادہ قتل و غارت گری کے باوجود مفکر، موجد اور دانشور کہلائے۔

ہمیں بات کرنی ہے اپنے تعلیمی نظام کی۔ یہ تعلیمی نظام جو آج برصغیر ہندو پاک میں رائج ہے اصلاً انگریز کا عطا کردہ ہے۔اس کا بنیادی مقصد انگریزی سرکار کو ایسے افراد فراہم کرنا تھا جو کہ سرکاری کی منشا کو عوام پر نافذ کرسکیں اور بھارت میں انگریزی سرکار کی حکومت کو مستحکم کرنے کا کام انجام دیں سکیں۔آزادی کے بعد یہی نظام تعلیم بہت ہی معمولی تبدیلی کے ساتھ ہندو پاک میں قبول کرلیا گیا۔اس کا مقصد بھی وہی ٹھہرا جو آزادی سے قبل تھا۔وقت گذرنے کے ساتھ اب تو تعلیم کا مقصد مزید محدود ہوکر رہ گیا ہے۔اگر بے لاگ بات کی جائے تو اس کا مقصد صرف اور صرف اچھا کھانا، اچھا پہننا اور اچھی معیاری زندگی گزارنا بن گیا ہے۔ تعلیم نجکاری نے تعلیم کے مقصد کو مزید سطحی بنا دیا ہے۔

یہاں ہم اس مروجہ نظام تعلیم کے صرف ان پہلوؤں پر بات کریں گے جو مسلم طلبہ کے ذہن اور طرزِ زندگی کے پر براہ راست اثر انداز ہورہے ہیں۔

تعلیم کا مقصد:

مروجہ نظام تعلیم کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس کا مقصد صرف دولت کا حصول یعنی نوکری کرنا اور پیسہ کمانا رہ گیا ہے۔طلبہ Course میں داخلہ لیتے وقت ہی یہ سوچ لیتے ہیں کہ فراغت کے بعد اتنی تنخواہ والی جاب ملے گی۔والدین واساتذہ بھی اسی چیز کو مدنظر رکھ کر پڑھاتے اور پڑھواتے ہیں۔اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کے پاس اگر زیادہ تنخواہ والی جاب نہ ہو تو عام طور پر گھر اور معاشرے میں انہیں ناکارہ یا کم تر تصور کیا جاتا ہے۔معاشرے میں عملاً عزت و ذلت کا معیار پیسہ ہی قرار پاتا ہے جو کہ ایک مہلک طرزِ فکر ہے۔جس چیز کو رسول اکرمؐ نے فتنہ قرار دیا تھا، آج اس فتنے میں جو جتنا مبتلا ہے اسے اتنا ہی اعلیٰ وارفع سمجھا جارہا ہے۔آپؐ نے فرمایا تھا: لکل امة فتنة وفتنة امتی المال۔'ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔'

صلاحیت بغیر صالحیت:

اس نظام تعلیم میں سب کچھ صلاحیت کو ہی قرار دیا گیا ہے، صلاحیت بھی تخلیقی نہیں بلکہ تقلیدی۔اعلیٰ کورسز میں داخلے یا نوکری کے حصول کا معیار صرف صلاحیت کو قرار دیا جاتا ہے۔اس پر مستزاد یہ کہ ایسے علوم میں آپ کی صلاحیت پرکھی جاتی ہے جس کا کوئی تعلق آپ کے مضمون یا اس نوکری سے نہیں ہوتا۔مثلاً فلم دنیا کے سوالات، کرکٹ کے سوالات، مختلف طرح کے ڈیٹاز وغیرہ وغیرہ۔ پورے تعلیمی نظام میں صالحیت کا کہیں کوئی اہتمام نہیں۔ صالحیت تعلیم کا کوئی جز ہی نہیں قرار پاتی۔طلبہ اس پر خوش ہوتے ہیں کہ وہ بلندی کے اعلیٰ معیار کو پہنچ گئے۔لیکن صالحیت نہ ہونے کی بنا پر وہ اس پر بالکل بھی توجہ نہیں دیتے کہ وہ کس طرح سے پہنچے؟ انہیں اپنی پوری زندگی میں یہ سوچنے کی کبھی نوبت ہی نہیں آتی کہ ان کے اخلاق و اطور کیسے ہیں؟ والدین بھی اپنے بچوں کے درمیان صرف

صلاحیت کو ہی معیار ترجیح بناتے ہیں۔صالح اولاد تو اکثر گھروں میں احمق وکم عقل سمجھی جاتی ہے۔

ذھنی انتشار:

اول آنے کی فکر،نصاب کا بوجھ، سیمسٹر کے امتحانات کا بوجھ نیز تمام علوم وآداب کو سلیبس اور ادارے سے سیکھنے اور سکھانے کی کوشش یہ تمام عوامل طلبہ کے ذہنی دباؤ کا سبب بنتے جارہے ہیں۔وہ علوم جو آج تعلیمی اداروں میں بڑی بڑی فیس دے کر سیکھے اور سکھائے جاتے ہیں،اس تعلیمی نظام کے نافذ ہونے سے قبل وہ علوم گھر پر ہی سکھا دیے جاتے تھے۔ لہذا طلبہ تعلیمی اداروں میں جا کر صرف اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے تھے۔ چوں کہ بنیاد مضبوط ہوتی تھی لہذا وہ اس قابل ہو جاتے تھے کہ دوران تعلیم ہی اپنے سبق ہم طلبہ کو درس دے سکتے تھے اور فراغت حاصل کرتے کرتے طلبہ کی ایک قابل ذکر تعداد استاد بن کر نکلتی تھی۔مختلف مضامین کا بوجھ اور اول آنے کے مقابلے نے طلبہ کی اختراعی صلاحیت کو معدوم کر کے رکھ دیا ہے۔ ثقافتی پروگرام، جو کہ طلبہ کی اندرونی صلاحیت کو ابھارنے کے نام پر تعلیمی اداروں میں منعقد ہوتا ہے، وہ بھی انعام کے حصول کی کوشش میں اتنا بوجھل بن جاتا ہے کہ طلبہ اس میں حصہ لینے سے گھبراتے ہیں۔ یہ بات اچھی طرح سے جان لیں کہ اختراعی ذہن اسی وقت نشوونما پاتا ہے جب ذہن پر کسی طرح کا کوئی بوجھ نا ہو۔

وقت کا زیاں:

یہ تعلیمی نظام طلبہ کا قیمتی وقت ضائع کرتا ہے۔کورسیز کا دورانیہ زیادہ ہوتا ہے۔ ایسے غیر ضروری مضامین بھی پڑھائے جاتے ہیں جن کا کورس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔جتنا سلیبس ۴ سے ۵ ماہ میں سمجھا اور سمجھایا جاسکتا ہے اس میں پورا سال لگا دیا جاتا ہے۔صبح سے شام تک کے کلاسیز میں وقت کے زیاں کے علاوہ اور کیا ہوتا ہے؟

خوشامد پسندی:

اکثر پرائیوٹ وسرکاری تعلیمی اداروں میں اب یہ بات عام ہوتی جارہی ہے کہ اچھے نمبرات کے حصول یا مضامین میں فیل نہ ہونے لئے استاد کی خوشامد کرنی پڑتی ہے۔طلبہ کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ کلاس میں یا کلاس سے باہر اساتذہ کی مرضی و پسند کا نہ صرف خیال رکھیں بلکہ ان کی چاپلوسی وخوشامد بھی کریں۔ Phd کے طلبہ زیادہ تر اس رویے کا شکار ہوتے ہیں۔لہذا دھیرے دھیرے یہی عادت فارغین کی بھی ہو جاتی ہے۔جب وہ کسی سرکاری یا غیر سرکاری اداروں میں جاتے ہیں تو وہ بھی اپنے ماتحت کے ساتھ یہی رویہ اپناتے ہیں حتی کہ اگر وہ کسی مذہبی ادارے یا جماعت سے وابستہ ہوتے ہیں تو بھی وہ اس عادتِ بد کو برا نہیں سمجھتے اور اسی ذہنیت کے ساتھ وابستہ رہتے ہیں۔

سیکولر بننے کی کوشش:

غیر مذہبی تعلیمی اداروں میں جب مسلم طلبہ جاتے ہیں تو وہ وہاں کے ماحول میں فوراً ڈھل جانے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔ہم جماعت دوستوں کی محفل، کلاس کی پارٹیاں نیز دوسرے ثقافتی پروگرام میں شرکت کو لازمی سمجھ کر شریک ہوتے ہیں۔اگر وہ چاہیں تو اس میں شرکت سے خود کو بچا کر بھی رہ سکتے ہیں لیکن اس خوف سے کہ کہیں ان پر شدت پسند یا مذہبی ہونے کا لیبل نہ لگ جائے وہ خود بڑھ چڑھ کر ان پروگراموں میں حصہ لیتے ہیں تا کہ خود کو سیکولر ثابت کر سکیں۔ سیکولر کہلانے کی اس خواہش میں وہ بعض دفعہ اسلام سے کافی دور حتی کہ ارتداد کی طرف نکل جاتے ہیں۔

مخلوط تعلیم:

مخلوط تعلیمی نظام ہمارے نظام تعلیم کا لازمی جز بن گیا ہے۔طلبہ وطالبات ساتھ بیٹھ کر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔یہ اتنا عام ہوگیا ہے کہ اب اسے برا سمجھنا حماقت کی علامت بن گیا ہے۔اس مخلوط تعلیمی نظام سے درج ذیل خرابیاں نوجوانوں کے اندر اس طور پر پیدا ہو رہی ہیں کہ نوجوان اب انہیں برا نہیں سمجھتے۔

(۱) بدنگاہی:

مخلوط نظام تعلیم میں بدنگاہی ایک ایسی مہلک برائی ہے جسے بڑے بڑے دین دار حضرات بھی برا نہیں سمجھتے جب کہ بدنگاہی سے بچنے کا حکم صاف طور پر قرآن میں آیا ہے۔کلاس میں ساتھ بیٹھنا، نوٹ بک کا لین دین، کلاس ٹور،ثقافتی پروگرام وغیرہ کے نام سے بدنگاہی کا جواز فراہم کیا جاتا ہے۔فارغین مدارس جدید تعلیمی اداروں میں پہنچ کر سب سے زیادہ اس گناہ نے مرتکب ہوتے ہیں ۔ پھر آنکھ کی زنا سے بات آگے بڑھتی ہے اور روز بروز گناہ کی عادت سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اور پھر اسے برا بھی نہیں سمجھا جاتا ہے۔

(۲) زنانہ پن:

مخلوط تعلیمی نظام کے سبب ہی تعلیم یافتہ نوجوانوں

کے انداز میں ایک طرح کی نزاکت دیکھنے کو مل رہی ہے۔خود کو بنانا ،سنوارنا نیز لباس، چہرہ، بال کی نمائش وغیرہ کا مرض اسی سبب پیدا ہو رہا ہے۔ مختلف طرح کے کریم ،صابن وغیرہ کا استعمال جو نوجوان نسل میں بڑھ رہا ہے وہ اسی ماحول کی دین ہے۔فارمل ڈریسینگ ،ہیئر اسٹائل وغیرہ میں ایک خاص قسم کا تکلف ونزاکت اسی مخلوط نظام تعلیم و کلچر کی دین ہے۔

(۳)ذھنی الجھن:

اس مخلوط تعلیمی نظام کے سبب طلبہ ایک خاص طرح کے ذہنی دباؤ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔صنفِ مخالف سے قربت و دوستی ایک خاص قسم کے ذہنی انتشار کا سبب بنتی ہے۔جس کا اختتام بعض دفعہ بہت ہی مہلک و سنگین ہوتا ہے۔نظام تعلیم کی ان خرابیوں سے بچنے کے لئے درجِ ذیل باتوں پر خصوصی توجہ دی جانی چاہئے:

❁ دوستی ہمیشہ اسلام پسند طلبہ سے کریں انہیں ہی اپنے حلقہ احباب میں رکھیں جو مذہبی و سادہ مزاج ہوں۔نیز اپنے گھر کے ماحول کو بھی اسلامی بنانے کی کوشش کریں کیوں کہ تبھی آپ باہر کے غیر اسلامی ماحول سے محفوظ رہ سکیں گے۔

❁ کلاس و تعلیمی ادارے میں اول آنے کے بجائے نمایاں ومنفرد بننے کی کوشش کریں۔

❁ اسلامی اخلاقیات،عاجزی وانکساری کو اپنی انفرادیت کی بنیاد بنائیں۔

❁ احساسِ برتری واحساسِ کمتری دونوں سے دور رہیں۔اس کا خیال رکھیں کہ کچھ شاطر قسم کے افراد آپ کے منہ پر آپ کی تعریف کر کے آپ کے اندر احساس برتری پیدا کرنا چاہیں گے تاکہ آپ کبر وخود پسندی میں مبتلا ہو جائیں۔اسی طرح یا تو وہ آپ کے اندر احساس کمتری پیدا کر کے آپ کو مایوسی سے دوچار کرنا چاہیں گے۔ اگر آپ ان دونوں نفسیاتی امراض سے بچ گئے تو یقین جانیں آپ اکیلے پورے کلاس کو صحیح اقدار پر چلا سکیں گے۔

❁ چاپلوسی وخوشامد پسندی کے بجائے ہمیشہ اور ہر حال میں حق گوئی وحق پسندی کا شیوہ اپنائیں۔ کبھی بھی کسی کا احسان نہ لیں نہ ہی کسی پر بوجھ بنیں۔ اس طرح بہت ساری بیماریوں سے،جو کہ طالب علمی کے دور میں عام طور پر پیدا ہو جاتی ہیں،آپ بچ سکیں گے۔

❁ قناعت پسندی اور سادگی کی روش اختیار کریں۔جان لیں کہ یہ عصر حاضر کی ہر برائی کی ڈھال ہے۔ہوس پرستی وخود پسندی ہر طرح کی اخلاقی برائی کی اصل جڑ ہے جس میں بسا اوقات بڑے بڑے دیندار حضرات بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔

❁ اگر مخلوط تعلیمی ادارے ہی آپ کی مجبوری بن جائیں تو ہر لمحے اس حدیث کو ذہن میں تازہ کرتے رہیں کہ آپؐ نے فرمایا:’عن قریب ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ دین پر عمل کرنا ہاتھ میں چنگاری لینے کے مانند ہوگا‘۔تعلیمی اداروں میں جب اپنے مذہبی رویے کے سبب خود کو تنہا اور اجنبی محسوس کرنے لگیں تو اس وقت اس حدیث کو ذہن میں تازہ کرلیں کہ آپؐ نے فرمایا:’عنقریب اسلام اجنبی ہو جائے گا اور اس وقت اسلام پر عمل پیرا رہنے والوں کو بشارت دے دو‘۔

غزل

خون مظلوموں کا ناحق دیکھنا رنگ لائے گا
بے کسوں کا نالہ جب عرشِ بریں تک جائے گا

بے گناہوں کی صدا جب عرش پہ چھا جائے گی
یہ زمیں پھٹ جائے گی اور زلزلہ آجائے گا

ظالمو! جب ظلم پر حد سے گزر جاؤ گے تم
پھر خدا تاریخ فرعونوں کی ہاں دہرائے گا

بچ سکے فرعون نہ نمرود نہ شداد جب
تم بچو گے کیسے جب تم پر عذاب آجائے گا

ایک دن سارا تکبّر خاک میں مل جائے گا
موت کا پیغام ملک الموت جب لے آئے گا

اے نوازؔ تم اس حقیقت کو گرہ سے باندھ لو
نیک عمل کے ماسوا محشر میں کیا کام آئے گا

نظم

میری بگڑی بنا مرے مولا
تجھ سے ہے التجا مرے مولا

دے رہا ہوں صدا مرے مولا
سُن لے میری دعا مرے مولا

کشتیٔ دل مری بھنور میں ہے
پار اُس کو لگا مرے مولا

ہر قدم جس میں بہتری ہو مری
راہ ایسی دکھا مرے مولا

میرے اور میرے بھائیوں کے سدا
پیار دل میں جگا مرے مولا

ہر سو امن و اماں کا جلوہ ہو
مُلک ایسے سجا مرے مولا

اپنے عاصی نوازؔ کے دل میں
شمعِ عرفاں جلا مرے مولا

سرفراز نوازؔ یوسنی ،آسنسول

کشمیر: ماضی اور حال کے آئینے میں

منہاج الاسلام

جنت نشان کشمیر، رام راج کا ایک بڑا تجربہ گاہ بن گیا ہے۔ ۲۰/دن سے زائد ہو چکے ہیں، پوری وادی میں کرفیو نافذ ہے۔ملک کی ہندو انتہا پسند سرکار نے اسے دنیا کا سب سے بڑا قید خانہ بنا کر رکھ دیا ہے۔لوگ اپنے گھروں میں بے گانے بنے ہوئے ہیں۔ انٹرنیٹ بند ہے۔ اخبار بند ہیں ۔ بازار سے دوائیں ختم ہو چکی ہیں۔انسانی حقوق کی دہائی دینے والے تمام اداروں کا دوغلا پن واضح ہو چکا ہے۔یہ تمام مظالم برہمن نواز، انتہا پسند سرکار، اسرائیل کی ملی بھگت سے ڈھا رہی ہے۔ یہ سرکار ملک کو رام راج بنانے کا عزم لے کر آئی ہے۔اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ کشمیری مسلمان تھے جو کہ اس رام راج کے لئے ایک چیلنج تھے۔ کیوں کہ وہاں کے مسلمان یوپی، بہار، راجستھان، ہریانہ وغیرہ کے مسلمانوں کی طرح نہیں ہیں نہ ہی وہاں کی قیادت ان صوبوں کے قائدین کی طرح ضمیر فروش ہے۔لہٰذا برہمن نواز اس سرکار کو سب سے پہلا وار کشمیر پر ہی کرنا تھا۔وہاں آر ایس ایس، بجرنگ دل ،ہندو یوا واہنی اور گئو رکشکوں کے ذریعہ مسلمانوں کو خوف زدہ و ہراساں نہیں کیا جاسکتا تھا۔لہٰذا وہاں بہادر برہمن نواز سرکار نے نہتے مسلمانوں کے لئے بھارت کی فوج کا استعمال کیا ہے، جسے فوج بھی سمجھ رہی ہے۔جس طرح این آئی اے، سی بی آئی وغیرہ جیسے اداروں کا غلط استعمال کر کے ملک کے اندر، یہ سرکار اپنے خلاف آواز اٹھانے والوں کو دبا رہی ہے، اسی طرح فوج کا استعمال کر کے کشمیری مسلمانوں کو ڈرانے اور گجرات جیسی نسل کشی کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے تا کہ وہاں کے مسلمان بھی بی جے پی اور آر ایس ایس سے خوفزدہ ہو جائیں۔مسلمانانِ کشمیر کی نسل کی حالیہ کوشش جو کہ ۳۷۰ کو ہٹانے کا بہانہ بنا کر شروع کی گئی ہے، اسے پوری طرح سمجھنے کے لئے کشمیر کی تاریخ کو سمجھنا کسی حد تک مفید ہوگا۔

کشمیر میں مسلمانوں کی حکومت چودھویں صدی کے بالکل اوائل میں اس وقت قائم ہوئی جب کہ دہلی میں محمد بن تغلق حکم راں تھا۔کشمیر میں اس مسلم حکومت کا بانی شہ میر تھا۔اس نے تین سال کشمیر پر حکومت کی۔سید علی ہمدانی (۱۳۱۴ء تا ۱۳۸۴ء) کے ذریعہ یہاں کی عوام میں اسلام بڑی تیزی سے پھیلا۔ان کی کوشش سے کشمیری عوام کی اکثریت، جو کہ پہلے ہندو تھی، مسلمان ہوگئی۔اس کے بعد یہ علاقہ دنیائے اسلام کا مستقل حصہ بن گیا۔کشمیر کے مسلم بادشاہوں میں زین العابدین (۱۴۲۰ء تا ۱۴۷۰ء) سب سے مشہور اور نیک نام گذرا ہے۔وہ کشمیر میں بڈشاہ کے نام سے مشہور ہے۔کشمیر کی آزاد اسلامی سلطنت تقریباً 250 سال قائم رہی۔اس کے بعد 1587ء میں کشمیر پر بادشاہ اکبر نے قبضہ کر کے اسے مغل سلطنت کا حصہ بنا لیا۔

۱۸۱۹ء میں جب کہ پورے برصغیر میں مسلمانوں پر ادبار کا دور شروع ہوا اور وہ اپنی آزادی واقتدار دوسروں کے ہاتھوں کھو رہے تھے اس وقت سکھوں نے کشمیر پر فوج کشی کی اور اس پر قبضہ کر لیا۔ یہ دور ۱۸۴۶ء تک چلا۔اس دور میں اقلیتی حکم رانوں نے اکثریت پر ظلم و جبر کی جو داستان رقم کی وہ تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔ اسی دوران انگریزوں نے ہندوستان پر اپنی گرفت مضبوط کی جموں وکشمیر کے سکھ حکم راں کو شکست دے دی اور جموں کے ڈوگرہ خاندان کے ایک جاگیردار گلاب سنگھ کے ہاتھ اس خطے کو ۷۵/لاکھ نانک شاہی سکوں کے عوض بیچ ڈالا۔ پوری آبادی، زمین ،مکانات چوپائے سب کچھ فروخت کر ڈالا گیا۔تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کی واحد خرید وفروخت ہے۔جس میں ہر انسان سات روپے کے عوض بیچ ڈالا گیا۔ یہ سانحہ ۱۶/مارچ ۱۸۴۶ء کو وقوع پذیر ہوا۔اس کو 'بیع نامہ امرتسر' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

۱۹۴۷ء کو جب ملک دوقومی نظریہ کی بنیاد پر تقسیم

ہوا تو تقسیم کے اصول کے مطابق، چوں کہ یہاں کی آبادی کی اکثریت مسلم تھی، لہٰذا اسے پاکستان کے ساتھ ہونا چاہیئے تھا۔لیکن جموں وکشمیر کے ڈوگرہ شاہی خاندان کی آخری نشانی ہری سنگھ نے ایک طرف پاکستان کے ساتھ Stand Still Agreement کر رکھا تھا اور دوسری طرف وہ بھارت کے ساتھ اندرونی طور پر گفت وشنید کر رہا تھا کہ جموں وکشمیر کا الحاق بھارت کے ساتھ ہو۔ ۲۷/اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ہری سنگھ نے بھارت سے فوجی مدد مانگی جو کانگریسی سرکار نے نام نہاد دستاویز حاصل کر کے فراہم کر دی اور ۲۷/اکتوبر ۱۹۴۷ء کو سرکار نے اپنی فوج سری نگر میں اتار دی۔ پھر ملک کے کانگریسی لیڈروں اور حکم رانوں نے وہاں کی عوام کو وعدہ دیا کہ جونہی حالات ٹھیک ہوں گے آپ کو آزاد استصواب رائے کے ذریعہ مستقبل کا فیصلہ کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ پھر کانگریسی سرکار خود ہی اس قضیہ کو عالمی ادارۂ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں لے گئی۔ جہاں پاکستان اور بھارت کے نمائندوں کے دلال سن کر سلامتی کونسل نے فیصلہ دیا کہ جموں وکشمیر کا پورا خطہ متنازعہ ہے اور استصواب رائے کے ذریعہ اس کا حتمی فیصلہ کیا جانا چاہیے۔ بھارت اور پاکستان کے درمیان جو جنگ چل رہی تھی وہ یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو جنگ بندی کے معاہدے کے بعد بند ہوگئی لیکن مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لئے سرکار نے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ اقوام متحدہ کی ۱۸/قراردادوں کے باوجود کانگریسی سرکار نے اسے کبھی متنازعہ نہیں مانا بلکہ اسے اٹوٹ انگ کہتی رہی اور کہتی ہے اور مزید توسیع پسندانہ عزائم کے ساتھ اپنا فوجی قبضہ برقرار رکھا۔ اسے یاد رکھیں کہ یہ سب کام کانگریس نے کیا تھا۔ اس وقت بی جے پی کا وجود بھی نہیں تھا۔

۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۲ء تک کشمیر میں نیشنل کانفرنس کی حکومت رہی ہے۔ جس کا سربراہ شیخ محمد عبداللہ تھا۔ اس نے اپنے اس دور حکومت میں آزادی پسند عوام کے ساتھ مرکز کی کانگریس حکومت سے مل کر بڑی بے رحمانہ اور سفاکانہ طرز کا مظاہرہ کیا۔ ننگے جسموں پر گرم استری پھیری جاتی تھی۔ گرم گرم آلو منہ میں بھر دیے جاتے تھے۔ جیل خانوں کے دروازے کھول دیے گئے تھے جہاں کہیں آزادی کی بو باس سونگھی جاتی وہاں حکومت اور انتظامیہ کا قہر برسنا شروع ہو جاتا تھا۔ ۱۹/اگست ۱۹۵۳ء کو شیخ محمد عبداللہ کو گرفتار کر کے پابند سلاسل کر دیا گیا کیوں کہ ۱۹۵۳ء کے اوائل سے ہی اس نے کانگریس کی پالیسیوں کے خلاف بولنا شروع کر دیا تھا۔ جس نہرو خاندان کے ساتھ اس کے گہرے روابط تھے اسی خاندان کے چشم وچراغ پنڈت نہرو نے ذاتی وخاندانی رشتوں اور تعلقات کے بجائے قوم ووطن کے مفاد کے نام پر ذاتی مفاد کو قربان کر کے شیخ عبداللہ کو گرفتار کرالیا۔ آج بی جے پی کو نہرو کی یہ قربانی یاد نہیں ہے۔

شیخ عبداللہ کی گرفتاری کے بعد مرحوم بخشی غلام محمد نے وزراتِ عظمیٰ کا منصب سنبھالا اور انہوں نے شکم سیری کا نعرہ دے کر آزادی کا نعرہ لگانے والوں کا رُخ پھیرنے اور دبانے کی کوشش کی۔

۱۹۵۵ء میں شیخ محمد عبداللہ کے دست راست مرزا افضل بیگ نے محاذ رائے شماری کی بنیاد رکھی اور ''رائے شماری فوراً کراؤ'' کے نعروں کی گونج سنائی دینے لگی۔ اس دوران میں بھی کشمیری عوام نے بے پناہ مظالم برداشت کئے، جیل خانوں کی اذیتیں اور سختیاں برداشت کیں۔

دسمبر ۱۹۶۴ء میں موئے مبارک حضرت بل کی گمشدگی کی خبر پوری ریاست میں آگ کی طرح پھیل گئی جس نے زبردست انقلابی لہر دوڑا دی۔ اس مرحلے میں جو لوگ اس تحریک کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے تھے، انہوں نے عوام کے اس سیلاب کا رخ شیخ عبداللہ کی رہائی کی طرف موڑ دیا۔ اس وقت ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں جماعت اسلامی جموں کشمیر بھی شامل تھی۔ اس ایکشن کمیٹی نے حکومت ہند سے CRPF کی تعیناتی کا مطالبہ کیا۔ جماعتِ اسلامی کی شدید مخالفت کے باوجود اس کمیٹی کے لیڈران نے اس مطالبہ کی پوری حمایت کی اور CRPF بھیج دی گئی۔

۱۹۷۱ء میں جماعت اسلامی جموں وکشمیر نے بھی جمہوری انتخابی عمل کا سہارا لے کر حق خود ارادیت

کے حصول کی جدوجہد میں مؤثر کردار ادا کرنے کی کوشش کی۔ اس انتخابی عمل میں ۱۹۸۷ء تک حصہ لیا جاتا رہا مگر مسلم متحدہ محاذ کے نام سے ۱۹۸۷ء میں لڑے گئے انتخابات میں کانگریس اور نیشنل کانفرنس نے گٹھ جوڑ کرکے جس ڈھٹائی اور بے حیائی کے ساتھ بیلٹ بکسوں کی عصمت دری کی، اس نے عام لوگوں میں بالعموم اور نوجوانوں میں بالخصوص اس رجحان کو ابھارا کہ بھارتی حکومت طاقت کی نشے میں چور انتخابی عمل سے حق خودارادیت کے استعمال کا موقع دینے پر کبھی تیار نہیں ہوگی اس لئے کوئی اور راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ چناں چہ ۱۹۸۸ء کے اواخر میں مسلح جدوجہد شروع ہوگئی جسے دبانے کے لئے ڈسٹرب ایریا ایکٹ، اسپیشل پاور ایکٹ، پبلک سیفٹی ایکٹ اور دوسرے کالے قانون کا کانگریس سرکار نے بھرپور استعمال کیا۔ فوجی قبضے کے ساتھ ساتھ کانگریس سرکار نے بات چیت کا بھی جاری رکھی۔ ۱۹۴۷ء سے لے کر ۲۰۰۶ء تک ۱۳۰ / بار بات چیت کے دور چلے ہیں۔

موجودہ بی جے پی سرکار جو کہ انتہا پسند ہندوتوا کے ایجنڈے پر پورے ملک کو چلا رہی ہے اس کا اصل خواب اکھنڈ بھارت کا قیام ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان، میانمار، بھوٹان وغیرہ کو ایک کرکے منوسمرتی کا قانون یعنی ورن ویوستھا قائم کی جائے۔ یہ مقصد اصلاً مجنوں کی ایک بڑ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا لیکن اسی خواب کو دکھا کر برہمن نواز یہ سرکار آج بھی اپنے معاشرے میں ورن ویوستھا کو قائم رکھے ہوئی ہے نیز دلت، شودر وغیرہ کے ذریعہ اکٹھا کئے گئے چندہ اور دکھنا پر پوری برہمن قوم عیش کر رہی ہے۔

۳۷۰ کی زیادہ تر شقوں کو تو کانگریس نے ہی ختم کر دیا تھا۔ اب صرف ۳۷۰ نام کا ایک کھوکھلا سا پل کشمیر کو بھارت سے جوڑے ہوا دکھائی دیتا تھا اسے اس سرکار نے اپنی واہ واہی میں توڑ دیا۔

بعض ماہر قانون کا کہنا ہے کہ اب دستور ہند کی رو سے کشمیر خود آزاد ہو چکا ہے۔ وہاں فوج بھیج کر ظلم وجبر کے ذریعہ تسلط باقی رکھنے کی کوشش دیکھئے کیا رنگ لاتی ہے۔ بی جے پی اسے اپنا کارنامہ سمجھ کر اپنی پیٹھ تھپتھپا رہی ہے لیکن اگر وہ کشمیر میں کانگریس کے کارناموں پر غور کرے تو اسے اپنا یہ کارنامہ بہت ہی معمولی بلکہ مصیبت کو دعوت دینے والا کا نظر آئے گا۔

ضمیر خریدنے کی کوشش

۱۹۳۲ء کی بات ہے، الاخوان کی تاسیس کو چند سال گذرے تھے تحریک کے عالم دین اور مرد مجاہد بدیع الزماں نورسیؒ کو حکومت نے اپنا ہم نوا بنانے کے لئے بلکہ انہیں پورے طور سے خریدنے کے لئے انامول کے پورے مشرقی علاقے کا رئیس المبلغین بنا دیا۔ جامعہ دارالحکومت کی صدارتی کونسل کا ممبر مقرر کر دیا اور رہائش کے لئے عظیم الشان محل پیش کیا مگر بدیع الزماںؒ نے جو ان تمام نوازشوں کا مطلب خوب سمجھتے تھے کسی چیز کو قبول نہ کیا بلکہ تھوڑے عرصہ کے بعد انقرہ کو چھوڑ کر دان چلے گئے۔

آزمائشوں کے یہ نمونے ہمیں بتاتے ہیں کہ اس موقع پر ہمارے ہر کارکن کی روش یہی رہنی چاہئے کہ ــــــ ''میرا دل صداقت کے لئے تو ہر وقت کھلا ہوا ہے اور میری ہر رائے کو علمی اور عقلی دلائل سے بدلا جا سکتا ہے لیکن میرا ایمان وضمیر کوئی قابل رہن وبیع چیز نہیں ہے۔ اس کی کوشش پہلے بھی جس نے کی ہے ناکام ہوا ہے اور آئندہ بھی جو کرے گا ان شاء اللہ منہ کی کھائے گا۔''

موجودہ اجودھیا رام کی جنم بھومی نہیں ہے

محکمۂ آثار قدیمہ کا اہم انکشاف

نلنجن مکھوپادھیائے

(یہ دراصل ''سنڈے میل'' میں Nilanjan Mukhopadhyay کی شائع شدہ رپورٹ ہے جو بعد میں ۲۵؍نومبر تا یکم دسمبر ۱۹۸۸ء کے 'ہفت روزہ نئی دنیا' کے شمارہ میں بھی چھپی۔ افادۂ عام کی غرض سے یہاں قارئین کی نذر کیا جارہا ہے: ادارہ)

''اجودھیا جہاں پر وہ آج آباد ہے، رامائن کے ہیرو، رام کی جائے پیدائش نہیں ہے'' یہ تحقیق آرکیالوجسٹ (ماہرین طبقات الارض/آثار قدیمہ) کی ایک ٹیم نے کی ہے جو ۱۳؍سالہ رامائن پروجیکٹ پر کام کرتی رہی ہے۔اس پروجیکٹ کے تحت رامائن میں ظاہر کئے گئے مقامات کی کھدائی بھی کی گئی ہے۔اس پروجیکٹ کے تحت ارضی تحقیق مکمل ہو چکی ہے اور پروجیٹ تکمیل کے قریب ہے۔ٹیم کی رپورٹ کی پہلی جلد اشاعت کے لئے تیار ہے۔اس رپورٹ نے بابری مسجد رام جنم بھومی تنازعے کے صورت ہی تبدیل کردی ہے۔کھدائی کے نتیجے میں انکشاف ہوا ہے کہ رامائن میں جن مقامات کا ذکر ہے، ان کے بارے میں پورے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ اجودھیا یا اس کے گردونواح کا علاقہ نہ تو راجہ دسترھ کا دارالحکومت رہا ہے اور نہ ہی رام کی جائے ولادت رہی ہے۔آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا نے اپنے دعوے کی جو دلیلیں پیش کی ہیں۔ وہ باوزن نظر آتی ہیں۔رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ جس علاقے کو اجودھیا کہا جاتا ہے وہ یا اس کے گردونواح کے علاقوں میں ساتویں صدی قبل مسیح میں کوئی انسانی آبادی نہیں تھی اور پھر تیسری اور گیارہویں عیسوی کے درمیان بھی انسانی آبادی کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔دلیل یہ ہے کہ جب ساتویں صدی قبل مسیح میں اس علاقے میں کوئی انسانی بستی ہی نہ تھی تو اجودھیا اور اس کے گردو نواح کا علاقہ وہ مقام نہیں ہوسکتا جس کا رامائن میں تذکرہ ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ متنازعہ مندر بکرمادیتہ نے گپتا خاندان کے دورعروج میں تعمیر کرایا تھا اور بابر نے سولہویں صدی عیسوی میں اس مندر کو مسمار کرکے بابری مسجد تعمیر کرائی تھی۔ آرکیالوجیکل سروے کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ یہ بات بھی قابل قبول نہیں ہے کیوں کہ گپتا خاندان کے دورحکومت میں اس جگہ کوئی انسانی بستی موجود نہیں تھی۔ رامائن پروجیکٹ ۱۹۷۵ء میں شروع کیا گیا تھا اور اس وقت سے آرکیالوجیکل ٹیم نے مذکورہ مقامات کی کھدائی کا کام شروع کیا۔ گذشتہ چارسال سے بابری مسجد رام جنم بھومی کا تنازعہ ایک بڑا قومی مسئلہ بنا ہوا ہے۔مسلمانوں کا یہ کہنا ہے کہ یہ سولہویں صدی عیسوی میں تعمیر کی گئی مسجد ہے جس کو بابر کے ایک گورنر نے تعمیر کرایا تھا۔ہندوؤں کا کہنا ہے کہ مسجد ایک مندر کو منہدم کرکے تعمیر کی گئی ہے، وہ مندر جسے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال قبل تعمیر کیا گیا تھا۔آج موجودہ اجودھیا کو رام کی جائے پیدائش اور ان کے والد راجہ دسترتھ کی راجدھانی کہا جارہا ہے لیکن آرکیالوجیکل سروے کی رپورٹ جو عنقریب شائع ہونے والی ہے وہ اس منظر کو بدل کر رکھ دیگی۔ پریشان کن بات یہ ہے کہ اس کے باوجود کہ کئی عبوری رپورٹوں کے ذریعہ حکومت کو اس تحقیق کے نتائج کی اطلاع دی جاتی رہی ہے لیکن حکومت نے نہ تو اس کو عوام پر ظاہر کیا اور نہ اس مسئلے کو حل کیا، جو شمالی ہند کے ہندوؤں اور مسلمانوں پر سب سے

زیادہ اثرانداز ہے۔ آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا نے پہلی عبوری رپورٹ ۱۹۷۶ء میں پیش کی تھی جس کو حکومت نے ۱۹۷۹ء میں شائع کیا اور تنازعہ کو حل کرنے میں ابھی تک حکومت نے آرکیالوجیکل سروے رپورٹ کو استعمال نہیں کیا۔ مہابھارت پروجیکٹ کی کامیابی کے بعد رامائن پروجیکٹ ۱۹۷۵ء میں آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کے سابق ڈائرکٹر جنرل بی بی لال کی سرکردگی میں شروع کر دیا گیا اور ۱۳ سال تک جاری رہا۔ پہلے سلسلے کی کھدائی رام جنم بھومی کے ٹیلے پر، ہنومان گڑھی اور سیتا رسوئی کے علاقے میں کی گئی اور اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ ان علاقوں میں انسانی آبادی ساتویں صدی قبل مسیح سے پہلے نہیں تھی۔ لیکن مؤرخین کے مطابق اگر رام کا وجود تھا تو ان کا دور حکومت ۱۵۰۰ سو قبل مسیح کا پارس سے بھی پہلے کا ہوسکتا ہے۔ کھدائی کے نتیجے میں یہ بھی انکشاف ہوا ہے کہ اجودھیا اور اس کے گردونواح میں تیسری اور گیارہویں صدی عیسوی کے درمیان کوئی انسانی بستی موجود نہیں تھی۔ آرکیالوجیکل سروے ٹیم نے مورخین کے اس نکتہ پر بھی توجہ دی ہے کہ تیسری اور پانچویں صدی عیسوی کے درمیان گپتا خاندان کے دور حکومت کے بھی کوئی سیاسی وثقافتی آثار اس علاقے میں نہیں پائے گئے۔ سرنگاور پور اور بھرد والا آشرم الہ آباد میں اور چترا کوٹ وغیرہ متعدد علاقوں میں کھدائی کے نتیجے میں یہی انکشاف ہوا کہ ان علاقوں میں ساتویں صدی قبل مسیح سے پہلے کوئی انسانی بستی موجود نہیں تھی۔ حیرت انگیز طور پر گذشتہ سال وشو ہندو پریشد نے جو عرض داشت ہوم منسٹری کو پیش کی ہے اس میں اے۔ ایس۔ آئی۔ کی رپورٹ کو منسلک کیا ہے۔ وشو ہندو پریشد نے اس رپورٹ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا نے بھی متنازعہ مندر کو رام جنم بھومی ٹیلہ کہا ہے۔ بابری مسجد رابطہ کمیٹی نے اپنے کنوینر سید شہاب الدین کے ذریعہ اس مسئلے کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن اس پر توجہ نہیں دی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ سید شہاب الدین نے کئی بار مطالبہ کیا آرکیالوجیکل سروے کی رپورٹ کو جلد شائع کیا جائے لیکن اس پر بھی مرکز نے کوئی توجہ نہیں دی۔

آرکیالوجیکل حلقوں کا کہنا ہے کہ اگر حکومت اس تنازعہ کو جلد طے کرنا چاہتی تو سروے ٹیم کی ابتدائی تحقیق کے نتائج کا استعمال کرسکتی تھی۔ آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کے ایک سینئر سابق افسر کا کہنا ہے کہ سروے ٹیم کی اس تحقیق سے انحراف کا کوئی بھی امکان نہیں ہے کہ (اگر رام کا کوئی وجود تھا تو) موجودہ اجودھیا ان کی راجدھانی نہیں تھی اور جہاں بابری مسجد واقع ہے، وہاں وہ رام جنم بھومی مندر تعمیر نہیں کیا گیا تھا۔

رپورٹ کی پہلی جلد اشاعت کے لئے تیار ہے۔ دوسری جلد جس میں اجودھیا کی دریافت کی گئی ہے، بھڑوں کے چھتوں کو چھیڑ دے گی۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر آرکیالوجیکل سروے کے نتائج کو بنیاد قرار دیا گیا تو متنازعہ جگہ کو بابری مسجد ماننا پڑے گا کیوں کہ تاریخ کے مطابق بابر نے اس علاقہ پر سولہویں صدی عیسوی میں حملہ کیا تھا جب کہ علاقہ اس سے قبل تین صدیوں سے مسلمان ہی کے قبضے میں تھا۔ آرکیالوجیکل سروے رپورٹ کی اشاعت سے اس مسئلے کو حل کرنے میں بڑی مدد ملے گی جو شمالی ہندوستان کے سماجی ڈھانچے کے لئے خطرہ بنا ہوا ہے۔ ☆☆☆

'انسانیت' ایک پرفریب نعرہ۔۔۔

ہندوستان کے موجودہ ماحول میں اگر مسلمان اسلام کو چھوڑ کر 'انسانیت' سے پیار کرنے کی بات کرتا ہے۔ دیوحرم کے فرق کو لپیٹ کر صرف انسان بن کر رہنا چاہتا ہے تو اس کی وجہ ایک ہی ہوسکتی ہے کہ وہ احساس کمتری کا شکار ہے اور اسلام کے سانچے میں اپنے کو فٹ کرکے مخالف طاقتوں سے مقابلہ کی سکت نہیں رکھتا ہے۔ ہندوستان میں اگر مسلمان کو زندہ رہنا ہے تو وہ اسلامی اقدار کی بحالی کے ساتھ ہی رہ سکتا ہے۔ انسانیت کے نام پر نہ تو وہ اپنی زندگی بچا سکا ہے نہ بچا سکے گا۔ لفظ 'انسانیت' کے نام پر بے چارگی اور شکست خوردگی کا احساس پایا جاتا ہے جو مسلم ومومن کی شان وعظمت نہیں۔ انسانیت کے نام پر ہندوستان کے سیاست دان ہم پر ترس نہیں کھائیں گے اور ہم وحدتِ اسلامی کے دھارے سے بھی کٹ جائیں گے۔ اس نعرہ کے پیچھے مخالفوں کی یہی سازش کارفرما ہے لہذا اس غلط نظریہ کو ترک کرکے ہندو اکثریت کے سمندر میں ہمیں ایک جزیرے کی طرح روشنی کا کام کرنا چاہئے تاکہ بھولے بھٹکے جہاز اپنی منزل پانے میں کامیاب ہوسکیں اور ہم ان کے لئے روشنی کا کام کرتے رہیں۔

نظریاتی جنگ کے ذرائع واصول

اسماعیل ریحان

وہ ذرائع ووسائل جن کو حریف ہمارے اذہان کو تبدیل کرنے کے لئے استعمال کررہے ہیں۔

۱۔نظام تعلیم
۲۔میڈیا
۳۔معلومات کے ذرائع
۴۔قانون
۵۔میدان سیاست
۶۔معیشت وتجارت
۷۔رفاہی ادارے (این جی اوز)
۸۔ادب
۹۔جدت پسند اسلامی مفکرین
۱۰۔فنون لطیفہ
۱۱۔کھیل کود، تفریح
۱۲۔ثقافتی ہیرو
۱۳۔علاقائی تہذیب وثقافت
۱۴۔جاہلی عصبیت کا فروغ
۱۵۔آزادیٔ نسواں
۱۶۔مسلمانوں کو صالح قیادت سے متنفر کرنا۔

۱۔تعلیم

باطل نظریات کے فروغ میں نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کا بنیادی کردار ہے۔اس نظام تعلیم سے اسلامی درس گاہوں میں درج ذیل تبدیلیاں آئیں۔

- تدریسی زبان کی تبدیلی
- رسم الخط کی تبدیلی
- غیر ملکی زبانوں کو لازمی قرار دینا
- دین کا احترام ختم
- لادینیت پر مبنی مواد کی شمولیت
- علماء دین اور طلباء دین کی تحقیر
- لادین مدرسین کا انتخاب
- دینی مدارس کے گرد گھیرا
- مخلوط تعلیم
- دینی مدارس اور عصری تعلیمی اداروں کے درمیان خلیج

نصاب تعلیم کی خصوصیات

- مغربی اقدار کا فروغ
- ملحدانہ ومادہ پرستانہ ذہن سازی
- صحیح تاریخ سے ناواقف رکھنا۔غلط تاریخ پڑھانا
- مغرب اور مغربی ایجنٹوں کے عیوب اور زیادتیوں کو چھپانا۔
- اسلامیات کو محض ایک نظری چیز بنادینا
- جغرافیائی اور سیاسی تقسیمات کو پختہ کرنا

نظام تعلیم پر گرفت

مسلم دنیا کے تعلیمی نظام کی باگ اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لئے درج ذیل اقدامات کئے گئے۔

- عالمی سطح پر یونیسکو اور یونی سیف جیسے علمی وثقافتی اداروں کا قیام
- مسلم دنیا میں مغربی اداروں کے تحت ٹیچر ٹریننگ کورس کا پروگرام
- تعلیمی شعبے میں غیر ملکی امداد

● مسلم دنیا کی تعلیمی وزارتوں پر غیر ملکی ماہرین تعلیم کی اجارہ داری

● مسلم درس گاہوں میں غیر ملکی مدرسین اور دانش وروں کی آمد و رفت

● ذہین مسلم طلبہ کے لئے تعلیمی اسکالرشپ

نظام تعلیم کے اثرات

● ہمارے طلبہ برائے نام مسلمان رہ گئے

● علم دین سے متنفر ہو گئے

● علم دنیا اور علم دین کے راستے الگ الگ ہو گئے

● اربابِ اقتدار دن بدن دین سے دور ہو گئے

● مسلمان اپنی علمی وراثت سے قطعاً بیگانہ ہو گئے

● علمی، تمدنی اور سیاسی قیادت مغرب کے پاس چلی گئی

● دین اور اہل دین کا سر عام مذاق اڑانا معمول بن گیا ہے

● نسل نو ذہنی طور پر مغرب کی غلام بن گئی

۲۔ میڈیا

یہ حریف کا سب سے زیادہ خطرناک ہتھیار ہے۔ میڈیا پر جس نظریے کا غلبہ ہوتا ہے، عوام اسی ذہن کو اختیار کرتی ہیں۔ ہمارا حریف میڈیا کے ذریعے ہمارے اعصاب پر حملہ آور ہے اور ہمیں عمومی طور پر مایوسی، کم ہمتی اور کج روی کا شکار بنا رہا ہے۔

لوگوں کی دو قسمیں اور میڈیا کا شبہاتی اور شہواتی جال

لوگ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ذمہ دار لوگ ۲۔ غیر ذمہ دار لوگ

میڈیا ذمہ دار لوگوں کو شبہات کے ذریعے پھانستا ہے۔ شبہات پھیلانے کا ذریعہ خبری شعبہ (نیوز) ہے۔ جس میں خبروں اور تجزیوں کی بھر مار ہوتی ہے۔ غیر ذمہ دار طبقے کو شہوات میں ڈبوتا ہے۔ اس کا راستہ تفریح (انٹرٹینمنٹ) ہے جس میں موسیقی، رقص، فلمیں، ڈرامے وغیرہ شامل ہیں۔

یہودی لابی اور میڈیا

اس وقت دنیا میں میڈیا پر یہودیوں کی اجارہ داری ہے۔ ان کے مشہور زمانہ پروٹوکولز میں سے بارہویں پروٹوکول میں یہ طے کر لیا گیا تھا کہ دنیا میں خبروں کے تمام ذرائع یہود کے پاس ہونگے۔ دنیا کی مشہور ترین خبر رساں ایجنسیاں رائٹرز، ایسوایٹڈ، پریس، یونائیٹڈ پریس، انٹرنیشل اور فرانسیسی نیوز ایجنسی انہی کے پاس ہے۔ میڈیا پر یہود سرمایہ داروں کی اجارہ داری کا تناسب ۹۰ فی صد ہے۔ میڈیا پر مسلط یہودی اور عیسائی پالیسی سازوں نے ۳ باتوں پر اتفاق کر رکھا ہے۔

۱۔ مسیحی اور یہودی اتحاد پر زد نہیں پڑنے دی جائے گی۔

۲۔ امریکی سیاست کی ہمیشہ باعظمت ترجمانی ہوتی رہے گی۔

۳۔ سرمایہ دارانہ اقتصای نظام کی ہمیشہ وکالت ہو گی۔

۳۔ ذرائع معلومات

اہل مغرب نے دنیا کو درکار معلومات کے راستوں پر تسلط کر لیا ہے۔ کسی بھی موضوع پر تلاش کیا جانے والا مواد ہمیں عموماً مغربی مصنفین، مغربی کتب خانوں، مغربی انسائیکلو پیڈیا اور انہی کے ویب سائیٹوں سے ملتا ہے۔ اس سے لوگ بے دین مصنفین، صحافیوں اور محققین کی مہارت فن اور کارکردگی سے متاثر ہو جاتے ہیں اور بعد میں ان کے دیگر خیالات سے بھی اتفاق کرنے لگتے ہیں۔

۴۔ میدان سیاست

جمہوری نظام اور سیاست کا میدان مغربی افکار واقدار کے فروغ کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ جمہوریت کو فروغ دے کر اسلام کے خالص سیاسی نظام پر یقین رکھنے والے مسلم رہنماؤں کو سیاست سے بے دخل کر دیا گیا ہے۔ جمہوری سیاست کے میدان میں سیاسی پارٹیاں مملکت کے شہریوں کے مطالبات، خواہشات اور امنگوں کی ترجمانی کرتی ہیں۔ جمہوری مملکت میں جمہوری عمل اور انتخابات پر یقین رکھنے والی پارٹی ہی کو سیاسی عمل میں کوئی کردار ادا کرنے کی اجازت مل سکتی ہے۔ انتخابی عمل کے نتیجے میں کچھ لوگ عوام عام کے نمائندے بن کر قانون ساز اداروں میں آتے ہیں۔ جنہیں پارلیمنٹ (ایوانِ زیریں) اور سینٹ (ایوان بالا) کہا جاتا ہے۔ یہاں ملک کا نظام چلانے کے لئے قانون سازی کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے۔

۵۔ قانون

باطل نظریات وافکار کے فروغ کا چوتھا سرچشمہ غیر اسلامی قانون ہے اس وقت اکثر اسلامی ممالک میں مغربی قانون ہی نافذ ہے۔ اس کا نفاذ عدالتوں اور بیوروکریسی کے ذریعے عمل میں آتا ہے۔ عدالت وادارہ سے جہاں ملک میں رائج قوانین کے تحت مختلف تنازعات کے فیصلے کئے جاتے، ماضی میں ہماری عدالتوں میں صرف فقہ اسلامی کے تحت فیصلے ہوتے تھے، مگر اب مغربی قوانین کے نفاذ کی وجہ سے فقہاء، مجتہدین اور علماء

کی ساڑھے تیرہ سوسالہ محنت برباد ہوکر رہ گئی ہے۔ عدلیہ ملکی قوانین کے مطابق جو فیصلے دینی اسے نافذ کرنے کا کام بیوروکریسی (نوکرشاہی) انجام دیتی ہے۔اس کا سلسلہ پولس، ڈپٹی کمشنر اور گورنر سے لے کر صدر تک پہنچتا ہے۔ یہ ادارے قانون کے محافظ ادارے کہلاتے ہیں مگر حقیقت میں یہ سیکولر اور لبرل نظام کے محافظ ہیں۔

۶۔معیشت وتجارت

معیشت وتجارت کا استحکام کسی بھی قوم کی ترقی اور استحکام کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ دشمن نے معاشی اور اقتصادی طور پر عالم اسلام کو محصور کرلیا ہے۔

۷۔رفاھی خدمات

دنیا بھر میں مغربی ممالک کے ہزاروں رفاہی ادارے کام کررہے ہیں جو مسلم ممالک کے کے پس ماندہ عوام کا اعتماد حاصل کرکے اپنے افکار ونظریات کو فروغ دیتے ہیں۔

۸۔جدت پسند اسلامی مفکرین

جدت پسند اسلامی مفکرین اصلاً باطل کے خاص آلۂ کار ہیں۔مغرب کو راضی کرنے کے لئے اسلام کے حرام کو حلال کرنے کے درپے رہتے ہیں۔

۹۔فنون لطیفہ

فنون لطیفہ یعنی موسیقی، مصوری، مجسمہ سازی، رقص وسرور وغیرہ وغیرہ پرنفس کی لذتوں کی انتہاء ہوجاتی ہے۔مسلمانوں کو بے دین بنانے میں ان ہتھکنڈوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔

۱۰۔آدب

ادب کے نام پر عشقیہ اور ملحدانہ نظم ونثر کو فروغ دیا جارہا ہے۔ دین اور خدا کا تمسخر اڑانے والے ادیبوں اور شاعروں کی جسارت کو قابل داد ٹھہرایا جاتا ہے۔

۱۱۔تفریح واسپورٹس

تفریح اور کھیل کود کے میدان بھی اغیار کی تہذیبی یلغار کا ایک ذریعہ ہیں۔کھیل کے میدانوں میں ایمان کش ماحول، نسل نو کو دین ومذہب سے بالکل بے گانہ بنادیتا ہے۔

۱۲۔ثقافتی ھیرو

ثقافتی ہیرو وہ کھلاڑی، اداکار اور فن کار ہیں جو معاشرے کے آئیڈیل بنتے ہیں۔تو ان کے قول کو کسی عالم دین کے فتوے سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

۱۳۔علاقائی تھذیب وثقافت

مغربی دنیا اربوں ڈالر خرچ کرکے اسلامی ممالک میں دبے ہوئے ہزاروں سال پرانے آثار اور زمانۂ جاہلیت کے کھنڈرات سامنے لارہی ہے تاکہ مسلمانوں کو علاقائی تہذیب وثقافت کے عنوان سے اسلامی تاریخ اور شناخت سے برگشتہ کیا جاسکے۔

۱۴۔جاھلی عصبیت، قومی وطنی عصبیت کو فروغ دینا

قومی اور وطنی عصبیتوں کا فروغ، عالم گیر اسلامی وحدت کو توڑ کر کئی چھوٹی چھوٹی وحدتیں پیدا کردیتا ہے اور یوں لادینیت کی راہ ہموار ہوجاتی ہے۔

۱۵۔مسلمانوں کو صالح قیادت سے متنفر کرنا

لادینی طاقتوں کی خواہش ہے کہ مسلمانوں کے پاس کوئی صالح قائد نہ رہے۔اس مقصد کے لئے مسلمانوں میں ابھرنے والی ہر صالح قیادت کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی ہے۔

۱۶۔آزادئ نسواں

حدیث میں عورتوں کو شیطان کا جال کہا گیا ہے اور مغرب اس جال کو پوری عیاری سے استعمال کررہا ہے۔آزادئ نسواں کا نعرہ لگا کر عورت کو گمراہ کیا گیا اور پھر عورتوں کو بازاری جنس بنا کر ان کی تذلیل کی گئی اور ان کے ذریعہ مردوں کو گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔اسلامی دنیا میں آزادئ نسواں کے نعرے کے پیچھے اہل باطل کے ۳ بڑے مقاصد ہیں۔

الف۔اسلامی اخلاق ومعاشرت کی بربادی:

اسلامی اعلیٰ اقدار واخلاق ان کے لئے حسد کا باعث بن گئی تھیں۔پس وہ انہیں برباد کرنے پر تل گئے۔

ب۔اسلامی معاشرہ کے خصوصیات کا خاتمہ:

وہ مسلمان کے یہاں رائج عفت وعصمت کی نظام کو تہس نہس کرنے پر اس لئے بھی آمادہ ہوتے ہیں تاکہ اسلامی معاشرے کی طرف غیر مسلموں کے رجحان کا امکان نہ رہے۔

ج۔مسلمان عورتوں کو بازاری جنس بنادینے کی قدیم خواہش:

مسلمان عورتیں گذشتہ تیرہ صدی سے مستور تھیں۔اہل مغرب نے اپنی ہوس کو پورا کرنے کے لئے مسلمان عورت کا ذہن تبدیل کردیا تاکہ وہ خود ان کی جھولی میں آگرے۔

❁❁❁

وید کیسے وجود میں آئے؟

سید حامد علی

(حاشیہ: اس مقالے کے مرتب کرنے میں ہمیں ایک کتاب "ویدوں کے ظاہر کنندہ" از پنڈت ستیہ دیوجی سے غیر معمولی مدد ملی ہے، یہ کتاب ۱۹۲۵ء میں بنارس میں چھپی تھی: سید حامد علی)

وید کیسے وجود میں آئے؟ کون شخص یا کون لوگ اس کے مصنف ہیں؟ اس کا صحیح اور قطعی جواب دینا آج دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے، البتہ اس سلسلے میں ہندومت کی مستند کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے اور اُن کے مستند علما و مصنّفین نے جو کچھ کہا ہے اُس میں سے کچھ بطورِ نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

شنکر آچاریہ (ہندومت کے مشہور مجدّد اور غیر معمولی علمی و فکری شخصیت، جنہوں نے علمی و عملی، ہر طرح کی تدابیر اختیار کر کے بودھ مت کا زور توڑا اور ہندومت کو از سرِ نو ہندوستان گیر مذہب بنا دیا۔) ویدانت درشن کے ادھیائے ۱۔۳ کے ۲۸، ۳۰ سوتروں میں فرماتے ہیں: ''ایشور نے دنیا کے آغاز میں (اپنے) ازلی و ابدی کلام (وید) کو اس لئے ظاہر کیا کہ اس سے دنیا کے معاملات نہایت خوش اسلوبی سے پورے ہو سکیں۔ (افسوس کہ کم از کم آج ویدوں میں معاملاتِ دنیا میں رہ نمائی نہ ہونے کے برابر ہے۔) اور تمام موجودات کے نام مع ان کی ذات وصفات کے سب وید سے مقرر کئے۔ (گویا ویدوں میں تمام اشیا کے نام و صفات موجود ہیں۔) اور ایک قوم کے ذاتی اعمال مع اُن کے خانگی معاملات اور اسما کے، سب کا اظہار وید سے کیا۔ اور جن لوگوں نے پہلی دنیا میں جو جو کام کئے تھے، اس مرتبہ بھی انہوں نے انہیں کاموں کو پسند کیا اور جس کو پہلے دنیا میں جو جو عادات پڑ چکی تھیں، چاہے وہ اچھی تھیں یا بُری انہوں نے دوبارہ پیدا ہو کر بھی اپنی سابقہ عادات کو اختیار کیا اور ہر ایک رشی کا کام مع اُن کے ناموں کے ایشور نے قیامتِ کبریٰ (ہندو عقیدے کے رُو سے انسانوں کی طرح کائنات کا بھی آواگون ہوتا ہے، جب برہما جی سو جاتے ہیں تو قیامت آجاتی ہے، پھر جب وہ جاگ اُٹھتے ہیں تو کائنات پچھلی کائنات اور اس کے حالات و اعمال کے مطابق پھر ظہور میں آتی ہے اور ہر ظہور کی ابتدا ویدوں سے ہوتی ہے۔) کے بعد ہی ویدوں سے مقرر کر دیے تھے اور جس طرح مختلف موسموں کی علامات ٹھیک اُن کے اپنے اپنے اوقات پر ظاہر ہو جاتی ہیں، اسی طرح ست یگ، دواپر، تریتا اور کل یگ، چاروں اپنے اوقات مقررہ پر عود کر آتے ہیں اور جس جس قسم کے سابق زمانوں میں دیوتا اور ابھمانی (مغرور) لوگ ہو چکے تھے، اسی طرح آج بھی موجود ہیں اور جن جن اوصاف سے وہ لوگ متصف ہیں وہ سب اوصاف آج بھی لوگوں میں موجود ہیں۔''

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ وید خدائے لایزال ولم یزل کا ازلی و ابدی کلام ہے جسے وہ کائنات کے آغاز کے وقت جملہ معاملات میں اہلِ دنیا کی رہ نمائی کے لئے نازل فرماتا ہے۔

اتیریہ براہمن (جیسا کہ اس سے قبل گزر چکا، وید کے تین حصے ہیں: منتر جنہیں سمہتا یا سنگھتا کہتے ہیں، براہمن جو ان منتروں کی شرح ہیں اور آرنیک جس کا ایک حصہ اُپنشد بھی ہیں، سناتن دھرمی براہمن اور آرنیک کو وید کا جزء مانتے ہیں اور آریہ سماجی وید کی شرح، ہزار ہا ہزار براہمنوں سے آج صرف گنتی کے چند براہمن باقی رہ گئے ہیں، انہی میں سے ایک اتیریہ براہمن ہے۔) کے ۲۵۔۷ کی عبارت اس طرح ہے: ''پوجاپتی (یعنی برہما) نے خواہش کی کہ میں ظاہر ہوؤں، بہت ہو جاؤں، اس نے نہایت غور و خوض سے دیکھا، اس نے اپنے پورے تدّبر کے بعد پرتھوی لوک (ارض)، انتَرکش لوک (عالم وسطی) اور دیولوک (عالم علوی) تینوں طبقوں کو پیدا کیا، پھر ان تینوں طبقوں کو بہ نظرِ غور دیکھ کر اُن سے تین شعاعیں پیدا کیں۔ طبقہ ارضی سے اگنی، وسطی سے وایو اور علوی سے سوریہ، ان تینوں جیوتیوں (روشنیوں) سے نہایت تفحص کے بعد تین وید پیدا کیے، اگنی سے رِگ وید، وایو سے

یجروید اور سوریہ سے سام وید۔

اورشت پتھ براہمن (وید کا اورحصہ ،ایک اور براہمن) ۱۔ ۵۔ ۸ کے ۱۔ ۲۔ ۳ میں لکھا ہے:

''سب سے پہلے (صرف) پرجاپتی ہی تھا، اُس نے خواہش کی میں بہت ہوؤں، میں ظاہر ہوجاؤں، اس نے محنت کی اور نہایت غور سے دیکھا، اس کی محنت اور غور سے تین طبقے پیدا ہوئے، پرتھوی لوک (طبقۂ ارضی) انترکش لوک (طبقۂ وسطی) اور دیولوک (طبقہ علوی)، پھر اُس نے ان تین جیوتیوں کو بڑے غور سے دیکھا اور اُن غور وفکر سے دیکھی ہوئی تین جیوتیوں سے تین وید پیدا کیے۔ اگنی سے رِگ وید، وایو سے یجروید، اور سوریہ سے سام وید۔''

اورگو پتھ براہمن (وید کا ایک اور حصہ، ایک اور براہمن) کے حصہ کے ۱۔ ۶ کی عبارت کا مفہوم یہ ہے: ''اُس پرجاپتی نے بار بار محنت وریاضت کی، اُس نے اپنی آتما یعنی رُوح کو نہایت تپایا اور اُس تپے ہوئے پرتھوی لوک، شکم سے انترکش لوک اور سر سے دیولوک کو تیار کیا، پھر اُس نے ان تینوں عالموں کو بڑی محنت سے تپایا، ان بڑی محنت سے تپے ہوئے تینوں عالموں سے اگنی، وایو اور آدتیہ، تین دیوتاؤں کو پیدا کیا، پرتھوی سے اگنی کو، انترکش سے وایو کو اور دیولوک سے سوریہ کو، پھر اُس نے ان تین دیوتاؤں کو بڑی محنت سے تپایا، ان بڑی محنت سے تپائے گئے تین دیوتاؤں سے رگ وید، یجروید اور سام وید پیدا کیے، وایو سے یجروید اور سوریہ سے سام وید۔''

درچھاندوگیہ اُپنشد (جیسا کہ گزر چکا، آرنیک ویدوں کا آخری حصہ ہیں اور اُپنشد اُن کا آخری حصہ چھاندوگیہ اُپنشد انہی میں سے ایک اُپنشد ہے) کے ۴۔ ۱۷ میں ہے:

''پرجاپتی نے پرتھوی لوک، انترکش لوک اور وایو لوک، ان تینوں طبقوں کو نہایت غور سے دیکھا اور ان غور وفکر سے دیکھے ہوئے تین طبقوں سے اُن کے سار (جوہر) اگنی، وایو اور سوریہ کو نکالا، پرتھوی لوک (عالم اِرضی) سے اگنی کو، انترکش لوک سے وایو کو اور وایو لوک سے سوریہ کو، پھر اُس نے

اِن تین دیوتاؤں کو نہایت غور سے دیکھا اور ان غور وفکر سے دیکھے ہوئے تین دیوتاؤں سے اُن کے تین ساروں (جوہروں) رِگ، یجو اور سام کو نکالا، اگنی دیوتا سے رِگ، وایو سے یجر اور سوریہ دیوتا سے سام کو ظاہر کیا۔''

ان اقتباسات سے حسبِ ذیل اُمور واضح ہوئے:

۱۔ وید خدا کی نہیں، پرجاپتی۔ برہماجی کی تخلیق ہیں۔ (غلط فہمی نہ ہو، پرجاپتی خدا کا نہیں، برہماجی کا لقب ہے، برہماجی خدا نہیں، خدا کی اوّلین تخلیق ہیں اور ہندو میتھالوجی کی رُو سے خدا نہیں، برہماجی خالق کائنات ہیں۔ منوسمرتی میں ہے: ''اور اُس (خدا) کے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ اپنے بدن سے ایک قسم کی خلقت پیدا کرنا چاہیے تو اُس نے پہلے پانی کو پیدا کیا، پھر اُس پانی میں بیج ڈالا، تب وہ بیج مثل طلا وآفتاب کے بہ صورت بیضہ بن گیا، پھر اُس بیضے سے برہما، جو تمام مخلوقات کے پیدا کرنے والے ہیں، آپ سے آپ پیدا ہوئے، پھر پربھو کے سدھ ہونے کے لئے اگنی سے رگ وید، وایو سے یجروید اور سورج سے سام وید نکالا'' (ادھیائے۔ ۱) ڈاکٹر تاراچند ویدک دور کے دیوتاؤں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''پرجاپتی تخلیق کا دیوتا شمار ہوتا ہے۔۔۔قدیم تر دیومالائی نظم میں برہما خالق، مہربان اور سب کا جدِّ امجد ہونے کی حیثیت سے سب دیوتاؤں کا صدر تھا۔ (اسلام کا اثر ہندوستانی تہذیب پر صفحہ ۵)۔

۲۔ وید چار نہیں، تین ہیں، رگ وید، یجروید، سام وید۔ گویا چوتھا اتھروید بعد کا اضافہ ہے۔

۳۔ برہماجی نے اپنے سر، شکم اور پیر سے تین دنیائیں؛ علوی، وسطی اور ارضی پیدا کیں۔ پھر ان دنیاؤں کے جوہر سے اُن کے تین سردار دیوتا سوریہ، وایو اور اگنی کو پیدا کیا اور پھر ان دیوتاؤں سے سام وید، یجروید اور رِگ وید پیدا کیے۔

(۴) برہماجی کو کائنات کے تین طبقوں، تین دیوتاؤں اور تین ویدوں کی تخلیق میں غیر معمولی ریاضت اور تپسیا کرنی پڑی۔ (ہندو عقیدے کی رو سے دیوتاؤں کی قوت کار از تپسیا میں ہے، کائنات کی تخلیق کا کام ہو، یا نظم کا یا کچھ اور، ہر چیز کے لئے عظیم ریاضت اور تپسیا کرنا پڑتی ہے۔) نہ صرف یہ کہ انہوں نے ریاضت کی بلکہ تینوں دنیاؤں اور دیوتاؤں کو بھی کٹھور محنت سے گزارا تب کہیں جا کر وید ظاہر ہوئے۔

(۵) برہماجی کو دنیا کے تینوں طبقوں اور تینوں دیوتاؤں کو ریاضت اور تپسیا کرنے میں ہزاروں لاکھوں سال کی مدت لگی اس لئے یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ وید آغازِ کائنات کے وقت ظاہر ہوئے اور کائنات ویدوں کے ذریعے ظہور میں آئی۔

شری مدبھاگوت پُران میں ہے (پُران بہت سے ہیں اور آریہ سماجیوں کی مختصر سی تعداد کو چھوڑ کر سبھی ہندو پُران کو مانتے ہیں، پُران ویدوں کے مرتب ویدویاس کی طرف منسوب ہیں اور ان

میں دیوتاؤں کی زندگی کے بعید از عقل اور فحش قصے درج ہیں، پھر ایک پُران کے مندرجات دوسرے پُران سے مختلف ہیں، جیسا کہ گزر چکا۔ پرانوں کا ذکر ویدوں میں بھی ہے، اس لئے پرانوں کا انکار فی الحقیقت ویدوں کا انکار ہے، بھاگوت پُران میں عشقِ الٰہی اور کرشن جی کی لیلاؤں اور ان کی گوپیوں کا ذکر ہے۔)

''جب برہما جی اس امر کو سوچ رہے تھے کہ میں دنیا کو پہلے کی مانند کیسے بناؤں؟ تب ان کے چاروں منہ (برہما کے چار منہ بتائے جاتے ہیں، یہ چار منہ کیوں اور کیسے بنے؟ اس سلسلے میں پُرانوں میں ایک فحش اور ناقابل یقین کہانی درج ہے، جس کا ذکر ہم مناسب خیال نہیں کرتے) سے رگ وید، یجو، سام، اتھرو اور شاستر (معلوم ہوا کہ ویدوں کے علاوہ دوسرے شاستر بھی برہما جی کے منہ سے نکلے ہیں۔) وغیرہ کئی قسم کی کتابیں پیدا ہوئیں۔'' (۳۔۱۲۔۳۴۔۳۷)

اور شبد کلپ دروم نامی لغت کے چوتھے کانڈ میں مارکنڈے پُران کے حوالے سے لکھا ہے:

''جب برہما جی پیدائش عالم کے بارے میں سوچ رہے تھے تو اُن کے چاروں منہ سے رگ، یجو، سام اور اتھرو (وید) پیدا ہوئے، رگ وید اکیس شاکھا والا، یجر وید سو شاکھا والا، سام وید دو ہزار شاکھا والا اور اتھرو وید کی نو شاکھائیں تھیں'' (جیسا کہ گزر چکا، چند شاکھائیں ضائع ہو چکی ہیں۔)

اس حوالے کے بعد اسی لغت میں ہے:

''اے منی! جب وہ انڈا منقسم ہوا تب اس قائم و دائم برہما کے پہلے منہ سے رچائیں (منتر) جو اکسی کی مانند سفید، چمک دار اور علاحدہ علاحدہ پیدا ہوئیں، دکھن منہ سے سفید رنگ کا یجر وید، مغرب منہ کمنڈ کے مانند سفید رنگ کا سام اور مشرق منہ سے بھورے رنگ کا اتھرو وید پیدا ہوا، جس میں عجیب و غریب اقسام کی باتیں ذکر کی گئی ہیں۔''

ان اقتباسات سے حسبِ ذیل باتیں واضح ہوئیں:

۱۔ وید، اگنی وایو اور سوریہ دیوتاؤں سے نکلنے کے بجائے براہِ راست برہما جی کے منہ سے نکلے، برہما جی کے چار منہ ہیں، ہر منہ سے ایک وید نکلا، گویا وید چار ہیں۔ (جب کہ گذشتہ اقتباسات سے یہ بات سامنے آئی تھی کہ دنیائیں تین ہیں، ان کے دیوتا بھی تین ہیں اور ان سے نکلنے والے وید بھی تین ہیں۔)

۲۔ وید اُس وقت اُن کے منہ سے نکلے جب کہ ابھی کائنات کا آغاز نہیں ہوا تھا۔

۳۔ مختلف ویدوں کے رنگ مختلف ہیں جس طرح کہ برہما کے منہ مختلف سمتوں میں ہیں۔

ہندوؤں میں عام طور پر یہی بات معروف ہے کہ وید برہما کے چار منہ سے نکلے ہیں۔

ہر بنس پُران (ایک اور پُران) میں ہے:

''برہما نے زمین کو پیدا کرنے کے بعد تین مصرعوں والی گائتری (گائتری جیسا کہ گزر چکا سب سے اہم اور مقدس منتر ہے، اس کا مفہوم یہ ہے: ''ہم اُس ساوتری (سورج) کے عظیم و تاباں نور کو مراقبہ کرتے ہیں، ہمارے ذہن کو وہ اپنی طرف متوجہ کرلے۔ یہ منتر شوروں کے علاوہ سب جاتیوں کے ورد کے لئے ہے۔) کو پیدا کیا اور اس کے بعد اس گائتری سے چاروں وید نکالے۔''

اس اقتباس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ برہما جی نے ویدوں کو گائتری منتر سے پیدا کیا۔

۲۔ ویدوں کی پیدائش زمین کی تخلیق کے بعد ہوئی، نہ کہ آغازِ کائنات کے وقت یا اس سے پہلے۔

پرشو اُپنشد (ایک اور اُپنشد، اپنشدوں کو ویدوں کا آخری حصہ خیال کیا جاتا ہے) کے چھٹے پرشن کے چوتھے منتر میں ہے:

''اُس ہستی، مطلق نے (پہلے) پُران (ہرنیہ گربھ) کو پیدا کیا، اُس سے بعد امید کو، اس کے بعد خلا، ہوا، آگ، پانی اور زمین کو، اس کے بعد حواسِ عشرہ اور دل کو، ان کے بعد اناج کو، اناج سے تخمِ انسانی (مادّۂ انسانی) کو، اس سے تپ (ریاضت) کو اور اُس سے منتروں کو۔''

اس اقتباس سے کئی باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ ویدوں کا پیدا کرنے والا خدا ہے۔

۲۔ ویدوں کا ظہور پوری کائنات اور زمین کی تمام مخلوقات کے بعد ہوا۔

۳۔ ویدوں کو خدا نے براہِ راست پیدا نہیں کیا بلکہ متعدد واسطے ہیں، کائنات کی دوسری چیزوں اور انسان کے حواسِ عشرہ اور دل کو پیدا کرنے کے بعد خدا نے اناج پیدا کیا، اناج سے تخمِ انسانی (مادّۂ انسانی) کو پیدا کیا، اس سے تپسیا (ریاضت) کو پیدا کیا اور تپسیا سے ویدوں کو۔

تیتریہ براہمن (ایک اور براہمن- یہ گزر چکا ہے کہ براہمن کو وید کا حصہ یا شرح خیال کیا جاتا ہے) ۳۔۳۹۔۱ میں ہے:

''وید برہما کے منہ سے نکلا ہوا اس کا کلام نہیں، برہما کی داڑھی کے بال ہیں۔''

اتھرو وید ۱۳۔۴۔۸ میں ہیں:

''اُس اندر سے رچا (منتر) پیدا ہوئے اور منتروں سے اندر ظاہر ہوئے۔''

اس اقتباس سے ظاہر ہوا کہ وید برہما سے نہیں، اندر سے پیدا ہوئے۔ (جاری)

میدان جہاد میں عورت کا کردار

یوسف القرضاوی مترجم: اسامہ عظیم فلاحی

اسلام نے اجتماعی ،انفرادی، مادی اور روحانی زندگی کی ضرورتوں کی تکمیل میں عورت کو مرد کا جوڑا بنایا ہے۔اس نظریہ کی بنیاد قرآن وسنت کے محکم نصوص ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

''یقیناً جو مرد اور عورتیں مسلم ،مومن ،مطیع فرمان ،راست باز ، صابر ، اللہ کے سامنے جھکنے والے ، صدقہ دینے والے ،روزہ رکھنے والے، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنیوالے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں،اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے''۔(احزاب)

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی۔یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے۔'' (توبہ:۷۱)

یہ آیت واضح طور پر بتاتی ہے کہ مومن عورتیں مومن مردوں کی طرح ہیں ۔اجتماعی اور سیاسی زندگی کے فرائض کی تکمیل میں دونوں ایک دوسرے کے شریک ہیں اور ان فرائض میں اہم ترین فرائض بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہے، اس معاملے میں مرد وعورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

دوسری جانب منافق مرد اور منافق عورتیں شر وفساد میں ایک دوسرے کے معاون ہیں اور مومن مرد وعورتیں خیر وصلاح میں ۔اس لئے مذکورہ بالا آیت کو اس آیت کے بعد لایا گیا ہے۔

''منافق مرد اور عورتیں سب ایک دوسرے کے ہم رنگ ہیں ۔ برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں ۔اپنے ہاتھ خیر کے کاموں سے روکے رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا۔یقینا یہ منافق ہی فاسق ہیں۔'' (سورہ توبہ)

قرآنی نصوص میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول اس بات کو مزید واضح کرتا ہے۔

جواب میں ان کے رب نے فرمایا:''میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں خواہ مرد ہو یا عورت ۔تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔لہذا جس نے میری خاطر وطن چھوڑا اور جو میرے لئے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور میرے لیے لڑے اور مارے گئے ،ان کے سب قصور میں معاف کر دونگا اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کرونگا ،جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی۔ یہ انکی جزاء ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں۔اور بہترین جزاء اللہ ہی کے پاس ہے۔''(آل عمران)

اس آیت کریمہ نے یہ بات واضح کر دیا کہ مرد وخواتین برابر ہیں ،عورت مرد سے ہے اور مرد عورت سے ۔نہ یہ اُس سے بے نیاز رہ سکتی ہے نہ وہ اس سے بے نیاز رہ سکتا ہے۔ یہ اُسکی تکملہ ہے اور وہ اِسکا تکملہ ہے۔مزید یہ کہ تو اعمال اور قربانیاں یہ دونوں پیش کرینگے اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا بڑا ثواب ہے۔

سورۃ ممتحنہ میں ان خواتین کا تذکرہ ہے جو ایمان لائیں لیکن ان کے شوہروں نے اسلام

قبول نہیں کیا، چنانچہ انہیں مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے گھربار چھوڑ کر اللہ کی راہ میں مدینہ ہجرت کر جائیں، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب مومن عورتیں تمھارے پاس ہجرت کر کے آئیں تو ان کی جانچ پڑتال کر لو اور انکے ایمان کی حقیقت اللہ ہی بہتر جانتا ہے، اگر تمھیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف نہ لوٹاو، نہ وہ کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ کفار انکے لئے حلال ہیں۔'' (ممتحنہ :۱۰)

یہاں پر ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے کس طرح مکہ اور مدینہ کے درمیان کی طویل مشقت بھری مسافت کو اس وقت کی معروف سواریوں کے ذریعہ سفر کیا۔ جبکہ انکے ساتھ حفاظت کے لئے کوئی مرد نہ تھا۔ ان لوگوں نے اپنے مشرک شوہروں اور محارم سے چھٹکارہ حاصل کیا۔ بلاشبہ یہ ہجرت، جہاد کی ایک قسم ہے۔ جس کی طاقت مردوں میں کم ہی لوگ رکھتے ہیں، عورتوں کا کیا ذکر کیا جائے!

حدیث پاک میں ہم نے پڑھا ہے کہ جس میں کہا گیا ہے ''انما النساء شقائق الرجال'' (احمد) ''یقیناً خواتین مردوں کا حصہ ہیں'' البتہ یہاں ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ جہاد کی بعض حالتیں جسمانی مشقت کا تقاضا کرتی ہیں، جو ایک عام عورت کے لئے ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عدل وحکمت کے تحت عورت کو رافت ورحمت جیسی خوبیوں سے نوازا ہے جس نے انہیں ان جسمانی مشقت بھرے کاموں کے لئے غیر مناسب بنا دیا ہے جو مرد حضرات انجام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو جسمانی، اعصابی اور وجدانی ناحیہ سے ماں بنایا ہے چنانچہ اس کی خاطر مضبوط محبت کے جذبے کی فراوانی بخشی تا کہ وہ حمل، ولادت اور رضاعت کی مشقت برداشت کرنے کے قابل ہو۔ ان تمام چیزوں نے اس کے لئے جہاد جیسے عمل کو مشکل بنا دیا ہے کیونکہ اس میں سخت جسمانی محنت اور مقابلہ کی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لیے انسانی تاریخ میں جنگیں بنیادی طور پر مردوں کا حصہ رہی ہیں، اگر چہ بطور تعاون خواتین اپنے مناسب کاموں کی انجام دہی کے لیے شریک ہوتی رہی ہیں۔

جب غزوات نبوی کا جائزہ لیا جاتا ہے تو وہاں بعض امہات المومنین اور صحابہ کی بیویوں کی شرکت نظر آتی ہے جہاں وہ مناسب خدمات انجام دیتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

● امام بخاری نے کتاب الجہاد میں عورتوں کا مردوں کے ساتھ قتال میں شرکت کا باب باندھا ہے۔ جس میں حضرت انسؓ کی حدیث کو ذکر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: جب اُحد کے دن لوگ نبی ﷺ کے پاس سے چھنٹ گئے تو میں نے حضرت عائشہؓ اور اُم سلیمؓ کو دیکھا کہ وہ پائنچہ چڑھا کر مشکیزہ بھر بھر کر اپنی پیٹھوں پر لاد کر زخمیوں اور فوجیوں کو پانی پلا رہی تھیں (بخاری)

● اس ضمن میں امام مسلم نے عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے خواتین کے ساتھ جنگ میں شرکت کی اور وہ خواتین زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں۔ ابن سعد نے اپنی طبقات میں ام عمارہ انصاریہ کے سلسلے میں حضرت عمرؓ سے روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ ''اُحد کے دن دائیں بائیں جس طرف میں دیکھتا وہ میرے بچاؤ میں لڑتی ہوئی نظر آئیں۔

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اُحد میں خواتین کا جہاد صرف لشکر کی خدمت ہی نہیں تھا بلکہ عملاً انہوں نے مشرکین سے لوہا لیا اور مردوں کے شانہ بشانہ جنگ لڑی۔

● حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ اُم سلیم نے غزوہ حنین کے دن ایک خنجر لے کر کہا کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آیا تو میں اس کا پیٹ پھاڑ دونگی۔

● امام بخاریؒ نے ''جنگ میں خواتین کا زخمیوں کے علاج'' کے نام سے باب قائم کیا ہے اور اس کے بعد دوسرا باب ''خواتین کا مقتولین اور مجروحین کو مدینہ پہنچانے'' کا باب قائم کیا ہے۔ ان دونوں ابواب میں ربیع بنت معوذ کی حدیث ذکر کی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ہوتیں، پانی پلاتیں، اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ہمراہ ہوتیں، قوم کی خدمت کرتیں اور اُنہیں پانی پلاتیں شہداء اور زخمیوں کو مدینہ پہنچاتیں۔

● حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے ضرورت کے وقت اجنبی عورت کا اجنبی مرد کے علاج کا جواز ملتا ہے۔ اس کی علت بعض لوگوں نے یہ بتائی ہے کہ زخم کی جگہ چھونے سے لذت نہیں ملتی۔

● ابن اسحٰقؒ نے سعد بن معاذؓ کے واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ جب اُنہیں غزوہ خندق میں زخم لگا تو اللہ کے رسول نے فرمایا: اِنہیں رفیدہ کے خیمے میں رکھو، جو مسجد میں ہے، تا کہ قریب رہ کر میں عیادت کرتا رہوں۔ رفیدہ نامی خاتون انصاریہ تھیں

یا اسلمی قبیلہ سے تھیں ،جیسا کہ ابن حجر نے الاصابہ میں ذکر کیا ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ رفیدہ اسلام کی پہلی نرس ہیں اور انکا خیمہ پہلا جنگی ہاسپیٹل تھا۔جو زخمیوں کے علاج ومعالجہ کی خدمت انجام دیتا تھا۔ رفیدہ یہ خدمت رضا کارانہ اور ثواب کی خاطر انجام دیتی تھیں۔

● امام بخاریؒ نے ''عورت کے سمندری جہاد کا باب'' قائم کیا ہے جس میں حضرت انسؓ کے حوالے سے اُم حرام بنت ملحان کے قصہ کو ذکر کیا ہے ۔وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بنت ملحان کے پاس گئے ۔انکے پاس ٹیک لگا کر بیٹھے پھر مسکرائے ،تو بنت ملحان نے مسکرانے کا سبب دریافت کیا تو اللہ کے رسول نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ سبز سمندر کا سفر کریں گے اللہ کی راہ میں ۔وہ تخت پر بیٹھے بادشاہوں کی طرح ہوں گے ۔بنت ملحان نے کہا : اے اللہ کے رسول ﷺ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں شامل کردے ۔تو اللہ کے رسول ﷺ نے دعا کی کہ ''اے اللہ اس کو ان میں شامل فرما'' پھر اللہ کے رسول واپس ہوئے تو ہنسے ۔تو انہوں نے پہلے کی طرح پھر پوچھا تو اللہ کے رسول ﷺ نے اسی طرح جواب دیا تو انہوں نے کہا: دعا کریں اللہ مجھے بھی ان میں شامل کرے ۔تو آپ نے کہا ''پہلے گروپ میں ہوگی بعد والوں میں نہیں'' حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد عبادہ بن صامت نے اس خاتون سے شادی کرلی ،پھر اس خاتون نے حضرت معاویہؓ کی بیوی بنت قرظہ کے ہمراہ بحری سفر کیا۔جب جنگ سے واپس ہوئیں اور سواری پر سوار ہوئیں تو جانور بھڑک گیا اور وہ گر پڑیں اور شہید ہوگئیں (متفق علیہ)

ذرا دیکھو کس طرح اس زمانے میں مسلم خواتین کے جذبات مردوں کے شانہ بشانہ بلند ہمتی کے کاموں کو انجام دینے کے لئے ہوا کرتے تھے، بھلے ہی اس میں سخت جسمانی مشقت ہو، اور کس طرح سے اُن کے جذبات اور خواہشات کو آپ ﷺ نے شرف قبولیت عطا کیا تھا۔انہوں نے خواتین سے یہ نہیں کہا کہ اپنے گھر میں پڑی رہو اور اس طرح کے خطرناک کاموں کے بارے میں سوچو بھی مت، جب کہ جاہلیت میں سمندری سفر عربوں میں غیر معروف تھا اور خطرات بھی بہت زیادہ ہوا کرتے تھے ۔کشتیاں بادبانی ہوا کرتی تھیں اور اکثر خطرناک ہواؤں کا ڈر لگا رہتا تھا۔ خطرناک موجیں گھیرے ہوتی تھیں ۔لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے پیشین گوئیوں کے ذریعہ سے سمندری جہاد پر ابھارا اور شوق دلایا۔ اسلامی بحری قوت کا آغاز شام کے والی حضرت معاویہؓ کی تحریض پر حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہو چکا تھا اور اس طاقت میں مزید وسعت حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں ہوئی ۔انکا دور اسلامی فتوحات کا دور تھا ۔خصوصا حضرت حسنؓ کی معاویہؓ کے ساتھ صلح کے بعد اور مسلمانوں کی سیاسی زندگی میں استقرار آجانے کے بعد۔

● امام بخاری نے کتاب الجہاد میں عورتوں کے جہاد کا باب قائم کیا ہے ۔جس میں حضرت عائشہؓ کی حدیث نقل کی ہے ۔وہ کہتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے جہاد کے لئے اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگوں کا جہاد حج ہے''۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے جہاد سے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: '' بہترین جہاد حج ہے''۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ جہاد وقتال عورت پر فرض نہیں ہے ۔اس بات کی وضاحت حدیث کے شارحین نے کی ہے ۔جیسے کہ ابن بطال وغیرہ لیکن وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کے قول ''تم لوگوں کا جہاد حج ہے'' کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ رضا کارانہ طور پر حصہ نہ لیں۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ بخاری نے اس باب کو قائم کرکے اس جانب اشارہ کردیا ہے (یعنی عورتوں کا جہاد) جسکی وضاحت انہوں نے عورتوں کا جہاد میں نکلنے کا باب قائم کرکے کردی ہے ۔امام مسلم نے اُم عطیہ انصاریؓ کی روایت نقل کی ہے ۔وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگوں میں شرکت کی ۔میں لوگوں کی سواریوں کے پیچھے ہوتی ،انکے لئے کھانا بناتی ،زخمیوں کا علاج کرتی ،اور مریضوں کی دیکھ بھال کرتی۔

خلفائے راشدین کے زمانے میں ہم دیکھتے ہیں کہ مسلم خواتین نے جنگوں میں حصہ لیا۔خصوصا رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے جنگ یرموک میں جو کہ تاریخ کی خطرناک جنگوں میں سے ہے، جس میں بہت ساری صحابیات نے شرکت کی تھی۔سعید بن منصور نے اپنی سنن میں عبد اللہ بن قرط الازدیؓ کی روایت نقل کی ہے ۔وہ کہتے ہیں کہ ''میں نے خالد بن ولیدؓ کے ہمراہ رومیوں سے جنگ کی تو میں نے خالد بن ولیدؓ کی بیوی اور دیگر اصحاب کی بیویوں کو دیکھا کہ وہ پائنیچہ چڑھا کر مہاجرین کے لئے پانی لے کر آتیں اور رجزیہ کلام ان کی زبان پر ہوتا۔ایسا نہیں ہے کہ حضرت خالد اور دیگر صحابہ کی بیویوں نے پائینچہ چڑھا کر صرف

مشکیزہ بھر بھر کر لائیں اور صحابہ و مہاجرین کو پلایا بلکہ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ایسی بھی صحابیات ہیں جنہوں نے رومی لشکروں سے جنگ کی اور بعض نے شہادت پائی۔

● سعید بن منصور نے اپنی سنن میں اور امام طبرانی نے اپنی معجم کبیر میں ذکر کیا ہے کہ اسماء بنت یزید انصاری نے جنگ یرموک میں لوگوں کے ہمراہ شرکت کی اور سات کفار اور دوسری روایت کے مطابق ۹ کفار کو سایہ کی خاطر استعمال ہونے والے ایک کھمبے کے ذریعہ موت کے گھاٹ اُتارا۔ دیکھیں کس طرح اسماء بنت یزید نے مدینہ سے شام کے لئے جنگ میں شرکت کے لئے رخت سفر باندھا جیسے کہ دیگر صحابیات نے سفر کیا تھا اور انہوں نے صرف پانی اور زخمیوں کو دواء علاج ہی فراہم نہیں کیا بلکہ ضرورت پڑنے پر قتال بھی کیا اور ہم نے یہ بھی دیکھا کہ اس سلسلے میں انہوں نے کن کن چیزوں کا استعمال کیا حتی کہ خیمہ کے کھمبے کے ذریعہ اپنی حرمت کی حفاظت کی اور ایک ایک کر کے کئی مشرکین کو موت کے گھاٹ اُتارا۔

● عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں حضرت ابراھیم نخعی کے حوالے سے روایت نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''قریش کی خواتین نے جنگ یرموک میں اس وقت لڑائی لڑی جب رومیوں کے جتھے مسلمانوں کے لشکر میں گھس گئے اور گتھم گتھا ہو گئے۔''

فقہاء نے قتل یا گرفتار ہو جانے کے اندیشے کی وجہ سے خواتین کو دشمن کے علاقے میں نکلنے کو مکروہ قرار دیا ہے الا یہ کہ وہ محفوظ لشکر میں ہوں تو نکل سکتی ہیں۔ دراصل یہ معاملہ مفاسد اور مصالح کے درمیان فقہ الموازنات کا ہے۔ اگر خواتین کے نکلنے میں فائدہ زیادہ ہے تو کوئی بات نہیں ورنہ خوف اور اندیشہ کی صورت میں نہیں نکلنا چاہئے، کیونکہ دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم ہے۔

یہاں ہم چاہتے ہیں کہ دور جدید کی جنگوں کے بارے میں کچھ بتا دیں۔ وہ یہ کہ آج کل کی جنگوں میں جسمانی لیاقت اور مشقت برداشت کرنے کی طاقت جس کی دور قدیم میں ضرورت ہوا کرتی تھی، اب نہیں رہی کیونکہ سامان جنگ کی بڑی تعداد ایسی ہے جن کے استعمال کے لئے بدن سے زیادہ عقل وفہم کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ یہاں یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ ایک تربیت یافتہ خاتون ایک مرد کے برابر ہو جائے۔ یہ چیز صہیونی افواج میں دیکھی جا سکتی ہے، جہاں مردوں کے بالمقابل خواتین فوجی خدمات انجام دیتی ہیں۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ مسلم خاتون اپنے ایمان، ہمت اور شجاعت کی بدولت مسلم فوج کا تعاون پانی پلانے اور مرہم پٹی سے بھی زیادہ کر سکتی ہے۔ ہم نے فلسطین کی عورتوں کو دیکھا ہے جنہوں نے استشہادی حملوں کے لئے اپنے آپ کو رضا کارانہ طور پر پیش کیا ہے، جس کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ فقہاء نے جہاد کی دو قسمیں کی ہیں؛ جہاد طلبی (اقدامی) اور جہاد دفاعی۔

جہاد طلبی:۔ جہاد طلبی یہ ہیکہ مسلم افواج اپنے دشمنوں سے انکی سرزمیں پر جنگ کریں۔ اس شکل میں عورت پر جہاد واجب نہیں ہے۔ البتہ ثواب کی خاطر مجاہدین کی طاقت میں اضافہ کے لئے رضا کارانہ شامل ہو سکتی ہیں۔

دفاعی جہاد:۔ رہا معاملہ دفاعی جہاد کا جس میں دشمن اسلامی سرزمین میں داخل ہو گیا ہو اور اس پر قبضہ کرنا چاہتا ہو تو اس سرزمین کے تمام باشندوں پر اپنے تمام وسائل اور قوت سے دفاع کرنا فرض عین ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں کوئی پیچھے نہیں رہ سکتا۔ اس سلسلے میں علماء یہاں تک کہتے ہیں کہ اس جہاد میں شرکت کے لئے بیٹے کو باپ سے، بیوی کو شوہر سے، غلام کو اپنے مالک سے اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہاں خطرہ ملک اور اجتماعیت کو درپیش ہوتا ہے۔ اور جب فرد اور اجتماعیت کے حقوق میں تعارض ہو تو اجتماعیت کے حقوق کو مقدم رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ فرد کی بقا اجتماعیت میں مضمر ہے اور اجتماعیت کی تباہی فرد کی تباہی ہے۔ یہاں ہر عورت پر مردوں کی طرح جہاد فرض ہو جاتا ہے اگر چہ جس قوت اور طاقت کا مطالبہ مرد سے کیا جا سکتا ہے وہ عورت سے نہیں کیا جا سکتا لیکن دونوں پر واجب ہونے کی وجہ سے اپنی طاقت وقوت کے حساب سے اپنا کردار ادا کریں گے۔

ولاۃ امور (حکمراں، علماء) پر واجب ہے کہ ایسی صورت حال سے نبرد آزما ہونے کے لئے مطلوبہ طاقت مرد وعورت کے لئے فراہم کریں۔ اگر شرعی حکومت نہ ہو تو مسلمانوں کی جماعت پر واجب ہے کہ ولاۃ امور کا کردار اداء کریں اور اپنے معاملات کو خود منظم کریں تا کہ صورتحال خراب نہ ہو جائے اور معاملہ ہاتھ سے نکل جائے اور پھر بے انتہا انتشار وافتراق پیدا ہو جائے۔ اللہ کے رسول نے حکم دیا ہے کہ جب تین لوگ سفر پر نکلیں تو ایک کو امیر منتخب کر لیں تا کہ معاملہ منظم رہے اور انتشار پیدا نہ ہو۔ ❁❁

بزمِ اطفال

احساس

یہ خواجہ نظام الملک طوسی کا واقعہ ہے جو اپنی رحمدلی، ہمدردی، پرہیزگاری اور انصاف پسندی کے حوالے سے خصوصی شہرت رکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ حقوق العباد میں کوتاہی کو کسی صورت معاف نہیں کریں گے۔ وہ خود بھی یہی کوشش کرتے تھے کہ ان کی ذات سے کسی دوسرے مسلمان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کرتے تھے۔

خواجہ نظام الملک طوسی کی یہ عادت تھی کہ کھانے پینے کی جو چیز ان کے سامنے آتی اُسے وہ خود کھانے سے پہلے اپنی محفل میں موجود تمام حاضرین میں تقسیم کرتے اور آخر میں اگر بچ جاتی تو خود کھالیتے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک غریب کسان ان کی خدمت میں ایک خربوزہ لے کر آیا۔ خواجہ نظام الملک طوسی نے کسان سے خربوزہ لے کر اُسے کاٹا اور اپنی عادت کے برخلاف تمام حاضرین محفل کو نظرانداز کر کے اس خربوزے کو نہایت رغبت سے کھانے میں مشغول ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے سارا خربوزہ ہی کھالیا اور خربوزہ لانے والے غریب کسان کو بہت سا انعام واکرام دے کر رخصت کیا۔ نظام الملک طوسی کی محفل میں بیٹھے تمام لوگ اس واقعہ پر حیران تھے کہ اس سے پہلے تو کبھی نظام الملک طوسی نے ایسا نہیں کیا تھا لیکن حاضرین میں سے کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ ان سے اس کی وجہ دریافت کرتا۔ جب محفل برخاست ہوئی تو خواجہ نظام الملک طوسی کے ایک قریبی دوست سے نہ رہا گیا اور اُس نے خواجہ نظام الملک سے پوچھ ہی لیا ”یا خواجہ! آج سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کھانے کی کوئی چیز آپ کے سامنے ہو اور آپ نے اسے پہلے حاضرین میں تقسیم نہ کیا ہو لیکن آج اس کے برعکس آپ نے خربوزہ کسان سے لیتے ہی اسے بڑی رغبت سے خود ہی کھالیا، حاضرین نے اس بات کو محسوس کیا ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا تھی؟“ خواجہ نظام الملک نے اپنے اس دوست کو بتایا کہ جب میں نے خربوزہ لوگوں میں تقسیم کرنے کی غرض سے کاٹا تو مجھے محسوس ہوا خربوزہ کڑوا ہے اور جب میں نے اسے چکھا تو خربوزہ واقعی انتہائی کڑوا نکلا۔ اگر میں وہ کڑوا خربوزہ لوگوں میں تقسیم کر دیتا تو مجھے خدشہ تھا کہ لوگ خربوزے کی تلخی کا اظہار کر دیتے یا اُسے منہ سے اگل دیتے اور اس سے غریب کسان کی دل شکنی ہوتی، کیوں کہ میں ایسا نہیں چاہتا تھا، اس لئے میں نے وہ سارا خربوزہ خود کھالیا۔ نظام الملک طوسی کا وہ دوست ان کی بات سے بہت متاثر ہوا۔ اس واقعہ سے یہ سبق ملا کہ دوسروں کے احساسات و جذبات کی قدر کرنی چاہئے۔

انجینئر ماشاء اللہ

(۱۹۷ھ - ۸۰۶ء)

تعارف: ماشاء اللہ اچھا سول انجینئر تھا۔ انجینئروں کی جماعت میں اس کا بھی نام آتا ہے۔

ماشاء اللہ کو علم ہیئت سے بھی اچھی دلچسپی تھی۔ اس نے فن ہیئت میں اپنے مشاہدے اور تجربات جمع کر کے ایک ضخیم کتاب بھی اس فن میں مرتب کی۔ اس کتاب میں ۲۷/ابواب ہیں اور یہ نادر معلومات کا مجموعہ ہے۔ اس کا ترجمہ پندرہویں صدی عیسوی میں لاطینی میں شائع ہوا تھا۔

ابتدائی زندگی، تعلیم و تربیت: ماشاء اللہ کا نام بھی شہر بغداد کے معماروں میں آتا ہے۔ یہ غریب گھرانے کا معمار لڑکا تھا۔ اسے علم کا بہت شوق تھا۔ تعلیم مکمل کر کے مطالعہ میں مصروف ہو گیا اور مختلف علوم خصوصاً علم ہیئت اور پلاننگ میں نام پیدا کیا۔ اپنی اس قابلیت اور عمدہ صلاحیت کی وجہ سے وہ شاہی دربار تک پہنچا اور خلیفہ جعفر منصور کے مصاحبین میں شامل ہو گیا۔

بغداد کی تعمیر نو میں جب انجینئروں کا انتخاب ہونے لگا تو اس جماعت میں ماشاء اللہ کو بھی بادشاہ نے شریک کر لیا۔ فضل بن نوبخت کی طرح ماشاء اللہ نے بھی ہارون رشید کا دَور دیکھا تھا۔ بغداد کی تعمیر جدید میں اس کا نام بھی سرفہرست نظر آتا ہے۔ وہ شروع سے آخر تک تعمیرات میں شریک رہا۔

اصطرلاب (دوربین) وجود میں آچکا تھا۔ اصطرلاب کے ذریعہ اس نے آسمان کے عجائب کا مطالعہ بڑے غور سے کیا اور فن ہیئت پر اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں ایک مستند کتاب مرتب کی۔ اس فن پر اس کی ضخیم کتاب دور عباسی میں علم ہیئت کے مضمون میں پہلی تصنیف تھی۔

ثقافت کی تلاش

نسیم حجازی

تیسرا منظر

(کامریڈ ۹ اور کامریڈ ۱۰ ایک کچی سڑک پر سائیکل چلا رہے ہیں)

کامریڈ ۹: بھئی! ہم نے پکی سڑک چھوڑ کر بہت غلطی کی ہے۔ خدا کے لئے اب بھی واپس چلو۔

کامریڈ ۱۰: ذرا ہمت سے کام لو میرے دوست! ہم پکی سڑک پر چل کر دیہاتی ثقافت کا پتہ نہیں لگا سکتے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اس دُشوار گزار راستے پر چند میل چلنے کے بعد ماضی کی ان سرحدوں میں داخل ہو جائیں گے جس کی آغوش میں ہر ملک کی قدیم ثقافت کے کھنڈر دفن ہیں۔ اگر ہمیں اور کامیابی نہ ہوئی تو کم از کم ڈائری کے لئے اچھا خاصا مواد مل جائے گا۔

کامریڈ ۹: بھائی صاحب! اگر اس لڑکی کے ''کالی ڈانگ'' والے بھائی کے ساتھ ملاقات ہو جاتی تو ڈائری کے مواد کے متعلق تمہاری حسرتیں پوری ہو جاتیں۔ آخر یہ سڑک کب ختم ہوگی۔ میں بہت تھک گیا ہوں۔

(کہیں سے گانے کی آواز سنائی دیتی ہے اور کامریڈ ۱۰ سائیکل سے اُتر پڑتا ہے)

کامریڈ ۹: کیوں جی! پنکچر ہو گئی نا سائیکل؟

کامریڈ ۱۰: نہیں یار! سنو کوئی گا رہا ہے۔

کامریڈ ۹: (سائیکل سے اُترتے ہوئے) ارے! یہ تو کوئی وارث شاہ کی ہیر پڑھ رہا ہے۔ میرا خیال ہے وہ کماد کے کھیت کی پرلی طرف ہوگا۔

کامریڈ ۱۰: چلو اس سے ملاقات کرتے ہیں۔

(کامریڈ ۹ اور ۱۰ سڑک سے اُتر کر کماد کے کھیت کے کنارے چل پڑتے ہیں۔ دوسری طرف چند کھیتوں میں مویشی چر رہے ہیں اور ایک نوجوان پیال کے ایک چھوٹے سے ڈھیر پر بیٹھا ہیر وارث شاہ پڑھ رہا ہے۔ نوجوان کے بائیں ہاتھ میں ایک غیر معمولی سائز کا دیسی جُوتا پڑا ہوا ہے۔ کامریڈ کچھ دیر نوجوان سے آٹھ دس قدم دُور کھڑے رہتے ہیں اور پھر اپنی سائیکلیں کھڑی کر کے دبے پاؤں اُس کے قریب جا بیٹھتے ہیں۔ دیہاتی پہلے رُک رُک کر دو مصرعے پڑھتا ہے اور پھر بلند آواز سے پورا شعر گانا شروع کر دیتا ہے۔

''چڑھیا ماہ بیساکھ تے ہیر جٹّی رانجھے یار دے
باجھ حیران ہوئی۔
زاری روندوی تے پلّے پاوندی اے جیوندی
جان لباں اُتے آن ہوئی''

(جب دو تین منٹ کی کوشش کے بعد ایک شعر ختم کرتا ہے تو کامریڈ حضرات تالی بجانا شروع کر دیتے ہیں۔ نوجوان بدحواس ہو کر اُن کی طرف دیکھتا ہے اور کتاب بند کر دیتا ہے۔)

کامریڈ ۱۰: گھبرانے کی کوئی بات نہیں میرے دوست! ہمیں تمہاری دل کش آواز یہاں کھینچ لائی ہے۔

کامریڈ ۹: میرے رانجھے! میرے مہینوال! میرے پُنّوں! اور میرے ڈھول بادشاہ! میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس علاقے سے سرسوں کے تمام پھُول توڑ کر تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دوں۔ تم گا رہے تھے اور میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ پریوں کے جھُنڈ تمہارے گرد رقص کر رہے ہیں۔ خدا کے لئے یہ کتاب بند نہ کرو۔ گاؤ اور پُورے زور سے گاؤ!

دیہاتی: (سراسیمگی کی حالت میں) تم کون

ہو؟

کامریڈ۹: میرے دوست! ہم تمہارے لئے اجنبی ہیں لیکن تم ہمارے لئے اجنبی نہیں ہو۔ ہم تمہارے دل کی دھڑکنوں سے واقف ہیں ہم اُس تڑپ سے آشنا ہیں جس نے تمہیں اس دشت کی تنہائی میں ہیر وارث شاہ پڑھنے پر مجبور کر دیا ہے۔ تم یہاں بیٹھ کر یہ تصور کر رہے تھے کہ تم میاں رانجھا ہو اور وہ الّھڑ دوشیزہ جسے تم اپنی ہیر سمجھتے ہو تمہارے نغمے سُن کر کسی گندم، سرسوں یا کماد کے کھیت سے نکلے گی اور دبے پاؤں تمہارے قریب پہنچ کر پیچھے سے دونوں ہاتھ تمہاری آنکھوں پر رکھ دے گی اور یہ کہے گی بتاؤ میں کون ہوں اور تم یہ محسوس کرو گے کہ آسمان کے تمام ستارے ٹوٹ کر تمہاری جھولی میں آ گرے ہیں۔ میرے دوست! ہم سے کوئی بات مت چھپاؤ۔ ہمیں ان درختوں کے جُھنڈ میں لے چلو، جہاں پہلی بار تمہاری ملاقات ہوئی تھی۔ ہمیں اُس کھیت میں لے چلو جہاں تم نے بھنگڑا ناچ دکھا کر اُس رُوحِ ثقافت کو اپنی طرف مائل کر لیا تھا۔ ہم اُس کھیت کی مٹی اُٹھا کر چاروں طرف بکھیر دیں گے تا کہ اُس ملک کے گوشے گوشے سے ثقافت کے چشمے پھوٹ نکلیں۔

کامریڈ۱۰: (۹ سے مخاطب ہو کر) تم پہلوان جی سے کتاب لے کر یہ شعر نقل کر لو اور مجھے اس کا مطلب بتاؤ۔

کامریڈ۹: (کتاب لے کر شعر نقل کرنے کے بعد) کامریڈ! اس کا مطلب یہ ہے ہ بیساکھ کے مہینے میں رانجھے کی جُدائی کے باعث ہیر کی زندگی اجیرن ہوگئی۔ وہ زاروقطار روتی تھی اور اُس کی جان لبوں پر آچکی تھی۔

کامریڈ۱۰: (نوجوان کی طرف متوجہ ہو کر) پہلوان جی! تمہیں معلوم ہے کہ خاص طور پر بیساکھ کے مہینے میں ہیر کے جاں بلب ہونے کی کیا وجہ تھی؟

دیہاتی: پہلے یہ بتاؤ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟

کامریڈ۱۰: پہلوان جی! تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ ہم بھی تمہاری طرح کامریڈ رانجھا کے پجاری ہیں۔ تم آج سے ہمیں اپنے دُکھ درد میں شریک سمجھو۔ تمہیں شروع سے لے کر آخر تک اتنی ضخیم کتاب پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وارث شاہ نے اس ایک ہی شعر میں اس زمانے کا اہم ترین مسئلہ حل کر دیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ بیساکھ کے مہینے میں بیساکھی کا میلہ لگتا ہے؟

کامریڈ۹: (دبی زبانی میں ۱۰ سے مخاطب ہو کر) بھئی خدا کے لئے ہر جگہ اپنے آپ کو بے وقوف ثابت کرنے کی کوشش نہ کرو۔ بیساکھی کے میلے کا اس شعر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

کامریڈ۱۰: دیکھو بھائی! مجھے بار بار ٹوکنے کی کوشش نہ کرو۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ بیساکھ کے مہینے کی اہم ترین چیز بیساکھی کا میلہ ہوتا ہے۔ اس علاقے کا کوئی سلیم العقل آدمی بیساکھی کے میلے کو بیساکھ سے جُدا نہیں کر سکتا۔ میں پہلوان جی کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ بیساکھ کے مہینے میں انسان کی رگوں میں تازہ خون دوڑنے لگتا ہے اور زندگی کی وہ اُمنگیں جو موسمِ سرما میں دبی رہتی ہیں، پوری شدت کے ساتھ جاگ اُٹھتی ہیں۔ بیساکھی کے میلے پر بانکے ترچھے چوڑے چکلے دیہاتی جوان اپنے دبے ہوئے جذبات کے اظہار کے لئے بھنگڑا ڈالتے ہیں۔ اس شعر کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہیر ایک دن چوری چھپے بیساکھی کے میلے میں پہنچ جاتی ہے۔ وہاں اُس کے گاؤں کے نوجوان بھنگڑا ڈال رہے ہیں لیکن رانجھا وہاں موجود نہیں اور اگر وہ وہاں موجود ہے تو وقتی مصلحتیں اُسے کھلے بندوں اپنے جذبات کا اظہار کرنے کی اجازت نہیں دیتیں۔ اُسے افشائے راز کا خوف ہے۔ اُسے ہیر کے چچاؤں، ماموؤں یا بھائیوں کی ناراضی کا ڈر ہے جو زبان کے بجائے لاٹھیوں کے ساتھ ہم کلام ہوتے ہیں۔ رانجھا ایک طرف الگ تھلگ بیٹھا ہے۔ اُس کے رگ و پے میں بجلیاں دوڑ رہی ہیں۔ ہیر اُسے چھُپ چھُپ کر دیکھتی ہے اور اُس کی مجبوری اور بے بسی کے احساس سے اُس کا جی بھر آتا ہے۔ وارث شاہ نے صرف ایک ہیر اور ایک رانجھے کا قصہ بیان کیا ہے لیکن کتنی ہیریں اور کتنے رانجھے ہیں جن کے حوصلے اور ولولے بیساکھ کے مہینے میں بھی گھٹ کر رہ جاتے ہیں۔ پہلوان جی! تم اپنی ہی طرف دیکھو۔ کیا یہ ٹریجڈی نہیں کہ تم جیسا خوب صورت نوجوان جس پر اس ملک کی ثقافت کا جھنڈا بلند کرنے کی اخلاقی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ جس کا جسم قدرت نے ناچنے اور تھرکنے کے لئے بنایا ہے ایک لُٹے ہوئے مسافر کی طرح پیال کے ڈھیر پر بیٹھا ہے۔ تم گانا چاہتے ہو اور تمہارے پھیپھڑے اتنے توانا ہیں کہ تمہاری آواز میلوں تک جا سکتی ہے۔ لیکن تم لوگوں کی نگاہوں سے چھُپ چھُپ کر اپنے ارمان نکالتے ہو۔ تم ناچنا چاہتے ہو اور ناچ

درختوں کو وجد میں لاسکتا ہے لیکن رجعت پسندی نے تمہارے پاؤں جکڑ دئے ہیں۔ مجھے جواب دو پہلوان جی اس سے زیادہ المناک بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ تمہیں جیتے جی رجعت پسندی کے قبرستان کی طرف دھکیل دیا گیا ہے۔ میرے مظلوم بھائی! تمہارے جسم کے پٹھے فولاد کی طرح سخت ہیں لیکن تمہارا ذہن بیمار ہے۔ تم وہ شیر ہو جسے پنجرے میں بند کر دیا گیا ہے۔ خدا کے لئے رجعت پسندی کے اس پنجرے کی سلاخیں توڑ دو۔ ناچو تا کہ کائنات کو وجد آجائے، گاؤ تا کہ دھرتی کے سینے سے نغموں کا سیلاب پھوٹ نکلے۔ کامریڈ! ہم تمہارے لئے نئی زندگی کا پیغام لائے ہیں۔

دیہاتی: (اپنے جُوتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) تم نے یہ دیکھا ہے؟

کامریڈ ۱۰: پہلوان جی! مُعاف کیجئے۔ مجھے آتے ہی اس کی تعریف میں کچھ کہنا چاہئے تھا۔ یہ دیسی جُوتا ہماری دیہاتی ثقافت کا ایک اہم نشان ہے۔ میرے خیال میں بھنگڑا ناچ کے دو ہی تو لوازمات ہیں۔ ایک ڈھول اور ایک یہ جوتا۔ لیکن آپ یہ جُوتا پہن کر چل سکتے ہیں۔ یہ کچھ بڑا معلوم ہوتا ہے۔ اگر تکلیف نہ ہو تو ذرا اپنے پاؤں دکھا دیجئے۔

دیہاتی: تمہیں میرے پاؤں دیکھنے کی بجائے اپنے سر کی فکر کرنی چاہئے۔

ک ۹: (ک ۱۰ کے کان میں) کامریڈ! معاملہ بگڑ گیا ہے۔ اس کی کلائیاں تمہاری رانوں سے زیادہ موٹی ہیں اور اُس کے ہاتھ میں یہ جُوتا اُس کے بھائی کی کالی ڈانگ سے زیادہ خطرناک ثابت ہوگا۔

دیہاتی: اسے کیا سمجھا رہے ہو؟

ک ۹: پہلوان جی! میں نے اپنے ساتھی سے یہ کہا ہے کہ اب دیر ہوگئی ہے اور ہمیں پہلوان جی کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

دیہاتی: ارے میں بے وقوف نہیں ہوں۔ تم مجھے گالیاں دے رہے تھے؟

ک ۱۰: نہیں پہلوان جی! میرا ساتھی آپ کی تعریف کر رہا تھا۔ یہ کہہ رہا تھا کہ آپ اس جنگل کے ٹارزن ہیں اور آپ کے ہاتھ اتنے طاقتور ہیں کہ ہاتھی سے مقابلہ آن پڑے تو آپ اُس کی سُونڈ مروڑ ڈالیں۔ جنگل کے چھوٹے موٹے جانوروں کو تو آپ اِس جُوتے سے مار ڈالتے ہوں گے۔

دیہاتی: (قدرے مطمئن ہوکر) ٹارزن کون ہے؟

ک ۱۰: پہلوان جی! مجھے افسوس ہے کہ آپ نے ٹارزن کی فلم نہیں دیکھی۔ ٹارزن کی کہانی یہ ہے کہ وہ بچپن سے افریقہ کے بندروں اور دوسرے جانوروں کے ساتھ رہتا ہے۔ وہ تمام جانوروں کی بولیاں سیکھ جاتا ہے۔ بڑا ہوکر وہ شیروں، چیتوں اور دُوسرے درندوں کے ساتھ لڑتا ہے۔ اگر کوئی برا وقت پیش آتا ہے تو وہ عجیب وغریب آوازیں نکال کر ہاتھیوں کو مدد کے لئے بُلاتا ہے۔ وہ کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اگر اُسے یہ جوتا دکھا دیا جائے تو وہ جنگل چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔

دیہاتی: تم ہیرا ورانجھا کا مذاق اُڑا رہے تھے۔ تم گاؤں کی لڑکیوں کے سامنے بھنگڑا ڈالنے کے متعلق بکواس کر رہے تھے۔

ک ۹: واہ پہلون جی! آپ کتنے سادہ دل ہیں۔ ہم مذاق کر رہے تھے اور آپ غصے میں آگئے۔ آپ اتنا بھی نہیں سمجھ سکے کہ ہم بہروپیئے ہیں۔ ہم کلاونت کا بھیس بدل کر آئے ہیں۔ اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو اُٹھ کر دیکھئے سائیکلوں پر ہمارا سامان لدا ہوا ہے۔ (دیہاتی اُٹھ کر سائیکلوں کی طرف دیکھتا ہے۔ اچانک اُس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوتی ہے اور وہ ہنسنا شروع کر دیتا ہے۔ کامریڈ بھی ایک کھوکھلا قہقہہ لگاتے ہیں۔ دیہاتی اچانک سنجیدہ ہوکر بیٹھ جاتا ہے۔)

دیہاتی: تم کس بات پر ہنس رہے تھے؟

ک ۹: (اپنے ساتھی سے) کامریڈ! خدا کے لئے اب کوئی اور حماقت نہ کر بیٹھنا۔

ک ۱۰: (دیہاتی کی طرف متوجہ ہوکر) پہلوان جی! ہم پہلی بار شہر سے باہر نکلے ہیں اور ہمیں معلوم نہیں کہ دیہاتی لوگ کس بات پر خوش اور کس بات پر ناراض ہوتے ہیں۔ اگر آپ بُرا نہ مانیں تو ہم ایک بات پوچھنا چاہتے ہیں۔

دیہاتی: اچھا پوچھو۔

کامریڈ ۱۰: اس علاقے میں بھنگڑا ناچ نہیں ہوتا؟

دیہاتی: کبھی کبھی کسی گاؤں کے نوجوان چوری چھپے ناچ لیتے ہیں لیکن لوگ پسند نہیں کرتے۔

کامریڈ ۱۰: آپ کا مطلب ہے کہ لوگ اپنے گھروں میں چھُپ کر ناچتے ہیں۔

دیہاتی: نہیں! نہیں! بھنگڑا ناچ گھروں میں نہیں ہوتا۔

ک ۱۰: تو پھر کہاں ہوتا ہے؟

دیہاتی: باہر کسی کھیت میں اور وہ بھی عام طور پر رات کے وقت۔ لیکن جس گاؤں میں چودھری شریف ہو وہاں کھیتوں میں بھی کوئی شخص بھنگڑا ڈالنے کی جُرأت نہیں کرتا۔

ع۱۰: پہلوان جی! آپ اُسے شریف کہتے ہیں۔ ہم اُسے رجعت پسند کہتے ہیں۔ اچھا آپ یہ بتائیے کہ بھنگڑا ناچ کے لئے لوگوں کو جمع کرنے کا طریقہ کیا ہے! میرے خیال میں جو شخص بھنگڑے کا انتظام کرتا ہوگا وہ اپنے ساتھیوں اور دوستوں کو اس قسم کے دعوت نامے بھیجتا ہوگا کہ فلاں جگہ فلاں وقت بھنگڑا ڈالنے کا مقابلہ ہوگا۔ اس لئے آپ کی تشریف آوری بہت ضروری ہے۔

دیہاتی: (ہنس کر) تم پھر میرے ساتھ مذاق کر رہے ہو۔

کامریڈ ع۱۰: نہیں پہلوان جی! ہم مذاق نہیں کرتے۔ ہم صرف اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔

دیہاتی: بھنگڑے کا شوقین صرف ڈھول بجاتا ہے اور بھنگڑے کے شائقین لنگوٹے کس کر ڈھول کی تال پر اُس کے گرد ناچنا شروع کر دیتے ہیں۔

کامریڈ ع۹: یعنی آپ کا مطلب ہے کہ یہ دعوت ڈھول کے ذریعے دی جاتی ہے۔

دیہاتی: ہاں!

کامریڈ ع۹: یعنی لوگوں کے کسی مجمع کے سامنے جب بھنگڑے کی تال پر ڈھول بجایا جائے گا تو بھنگڑا ڈالنے والے خود بہ خود لنگوٹے کس کر میدان میں آجائیں گے۔

کامریڈ ع۱۰: یار! میں نے فلم میں جو بھنگڑا دیکھا تھا وہ تو تہبند کے ساتھ تھا۔ پہلوان جی کی بات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بھنگڑا بہت ماڈرن ہے۔

کامریڈ ع۹: اچھا پہلوان جی! ہم اب آپ سے اجازت لیتے ہیں۔

دیہاتی: تم کہاں جا رہے ہو؟

کامریڈ ع۹: پہلوان جی! اب میں آپ کو سچی بات بتایا ہوں۔ آج ہمارا پروگرام یہ ہے کہ ہم کسی جگہ دیہاتی لوگوں کا بھنگڑا دیکھیں۔ اگر کسی ایسے گاؤں کا پتہ دے دیں جس کا چودھری رجعت پسند، میرا مطلب ہے کہ شریف نہ ہو اور جہاں ڈھول کی آواز پر چند منچلے جمع ہو سکتے ہوں تو ہم آپ کے بہت شکر گزار ہوں گے۔

دیہاتی: یہاں آس پاس کوئی ایسا گاؤں نہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ تمہاری مراد لنڈا کوٹ میں پوری ہو سکتی ہے۔

کامریڈ ع۱۰: لنڈا کوٹ کہاں ہے پہلوان جی؟

دیہاتی: لنڈا کوٹ یہاں سے کوئی چھ میل دور ہے۔ سڑک پر کوئی پانچ میل چلنے کے بعد تمہارے راستے میں ایک نہر آئے گی۔ نہر کا پُل عبور کرنے کے بعد دائیں ہاتھ مُڑ جاؤ۔ پٹڑی پر کوئی ایک میل چلنے کے بعد تمہیں اپنے بائیں ہاتھ جو پہلا گاؤں دکھائی دے گا وہ لنڈا کوٹ ہے۔

(جاری)

آزادیٔ نسواں کے لئے پروپیگنڈا مہم کی تاریخ

آزادیٔ نسواں کو فروغ دینے اور مسلم عورت کا ذہن بدلنے کے لئے اہل مغرب نے جو پروپیگنڈا مہم شروع کر رکھی ہے، اس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام میں عورت مظلوم ہے۔ وہ ہر معاملہ میں مردوں کے رحم و کرم پر ہوتی ہے۔ اسلام کو عورتوں کے بنیادی حقوق کا غاصب مذہب قرار دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل نکات سے خاص طور پر اُٹھائے جاتے ہیں:

۱۔ اسلام میں عورت کو گھر کا قیدی بنا دیا گیا ہے۔

۲۔ عوت کو خود کفیل ہونے اور کمائی کے لئے باہر نکلنے سے منع کیا گیا ہے۔

۳۔ اسلام نے عورتوں کو ناقص العقل قرار دیا ہے۔

۴۔ میراث میں عورتوں کو مردوں سے کم حصہ دیا جاتا ہے۔

۵۔ اسلام میں طلاق کا حق صرف مردوں کو دیا گیا ہے۔

۶۔ عورت کی گواہی نصف مانی جاتی ہے۔

۱۹۱۳ء میں ایک باقاعدہ سازش کے تحت ایسی جدت پسند مسلمان عورتوں کو سامنے لایا گیا جنہوں نے سرعام نقاب اتارے اور برقع و چادر کو اٹھا کر پھینک دیا۔ مصر میں ھدی شعراوی پہلی خاتون تھی جس نے پردے کے خلاف آواز اٹھائی۔

۱۹۲۳ء میں ''مؤتمر النساء'' نام سے اٹلی کے شہر روم میں خواتین کی عالمی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ھدی شعراوی نے برقع اتار کر اپنے پاؤں کے نیچے رکھا اور اسے مَسل کر اعلان کیا: '' آج کے بعد پردے کا رواج ختم۔ جو عورت جس طرح کا چاہے لباس پہنے۔''

ملا زادہ ضیغم[۱] لولابی کشمیری کا بیاض

ابن سلطان

آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و فقیر
کل جسے اہلِ نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر

تشریح: علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ کشمیر جو کہ آج مجبور و مسکین بنا ہوا ہے، اسے اہل نظر چھوٹا ایران کہا کرتے تھے۔ یہ علم، فلسفہ، ادب و ثقافت کی سرزمین ہے۔

سینۂ افلاک سے اُٹھتی ہے آہِ سوزناک
مردِ حق ہوتا ہے جب مرعوبِ سُلطان و امیر

الفاظ و معنیٰ: افلاک = فلک کی جمع، آسمان　　سوز = جلن،　ناک = بھرا ہوا، یہ لفظ کسی موصوف کی صفت کے لئے آخر میں لاتے ہیں۔
تشریح: جب کوئی مردِ حق، بادشاہ اُمراء سے مرعوب ہو کر آوازِ حق بلند کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ تو آسمان کا سینہ بھی درد و الم سے بھر جاتا ہے۔ کشمیر اسی وجہ سے غلام ہے کہ مردِ حق حکمرانِ وقت سے مرعوب ہو گیا ہے۔

کہہ رہا ہے داستاں بیدردیِ ایام کی
کوہ کے دامن میں وہ غم خانۂ دہقانِ پیر

الفاظ و معنیٰ: دہقان = کسان، گاؤں　　پیر = ضعیف، بوڑھا،　دامن کوہ = پہاڑ کے نیچے کا میدان
تشریح: وادی کشمیر میں پہاڑوں کے نیچے میدان میں آباد غم زدہ کسان اور ان کی بستی زمانے کی بے رحمی و ظلم کی داستان سنا رہے ہیں۔

آہ! یہ قومِ نجیب و چرب دست و تر دماغ
ہے کہاں روزِ مکافات اے خُدائے دیرگیر؟

الفاظ و معنیٰ: نجیب = عمدہ، مراد اصیل برگزیدہ،　چرب دست = چالاک، ہنرمند، دست کار،　تر دماغ = عقلمند، صاحبِ شعور،　مکافات: بدلہ، بدی کی سزا۔
تشریح: کشمیری قوم برگزیدہ، ہنرمند اور عقلمند قوم ہے۔ اے خدا آخر وہ بدلے کا دن کہاں ہے؟ تو ان کشمیریوں پر ظلم و جبر کرنے والے کی پکڑ فرما۔

۱: ملا زادہ ضیغم لولابی ایک تصوراتی نام ہے۔

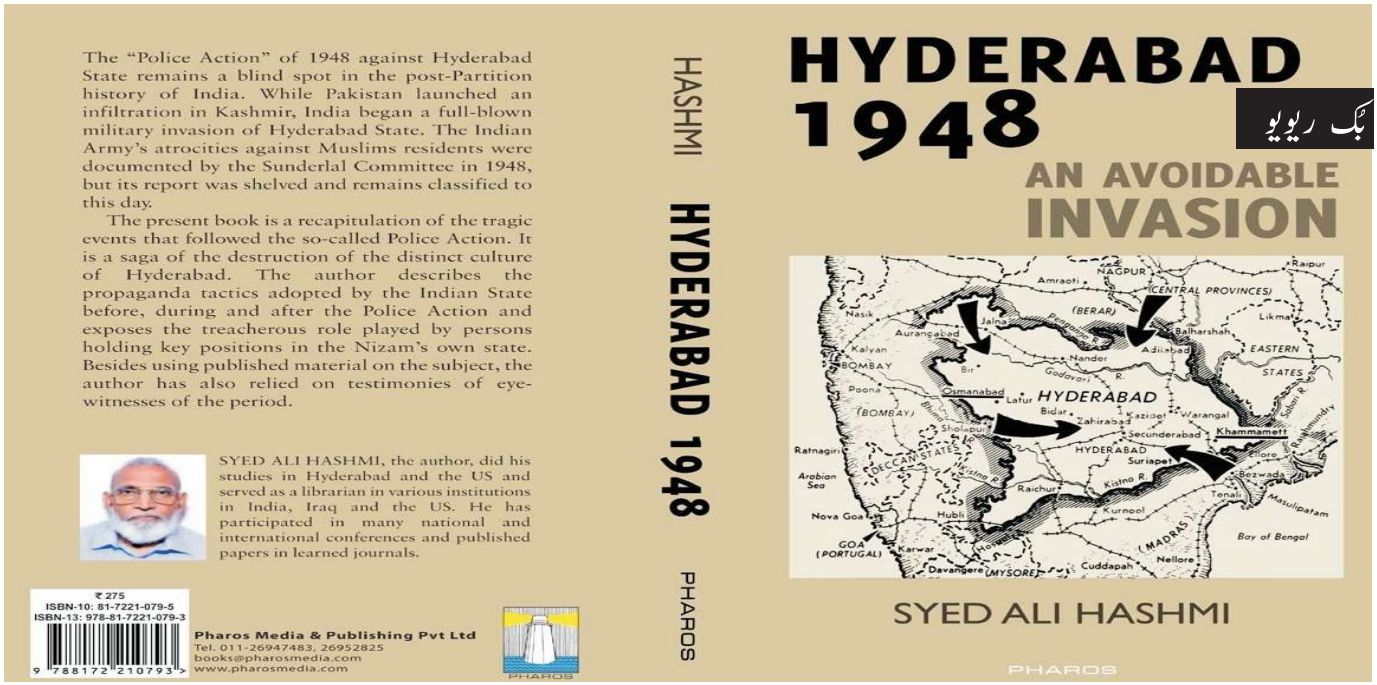

Hyderabad 1948 : An Avoidable Invasion

تبصرہ نگار: شکیل رشید

اس کتاب کے مصنف سید علی ہاشمی نے سقوط حیدرآباد کے واقعات سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے کہ 'یہ حملہ قابل گریز تھا' اس سے اختلاف کیا جاسکتا ہے مگر انہوں نے اپنی بات جس سنجیدگی کے ساتھ پیش کی ہے اس کا تقاضا ہے کہ یہ کتاب سنجیدگی سے پڑھی جائے۔

سقوط حیدرآباد 1948 کو بھلے ہندوستان کی تاریخ کا سنہرا باب اور سردار ولبھ بھائی پٹیل کا ایک عظیم کارنامہ سمجھا جاتا ہو مگر اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے، بالخصوص آندھرا پردیش میں، جو آج بھی سقوط حیدرآباد کے عمل کو ایک آزاد ریاست پر حملہ قرار دیتی ہے اور یہ سوال اٹھاتی رہتی ہے کہ کیا حیدرآباد کا سقوط ہندوستان کا درست اور جائز قدم تھا؟ مثلاً مجلس تعمیر ملت، سقوط حیدرآباد کو 'پولیس ایکشن' کے بجائے 'فوجی ایکشن' قرار دیتی آرہی ہے۔ ویسے حیدرآباد پر 'چڑھائی' کو بولا تو 'پولیس ایکشن' ہی جاتا ہے پر یہ اپنی اصل نوعیت میں 'فوجی ایکشن' تھا' جس میں ایک بڑی تعداد میں لوگ مارے گئے تھے اور املاک کا بڑے پیمانے پر نقصان ہوا تھا۔ کیا یہ 'پولیس ایکشن' حیدرآباد پر یہ چڑھائی یا حملہ ناگزیر تھا؟' کیا اسے ٹالا نہیں جاسکتا تھا؟ اور کیا اتنی بڑی تعداد میں جو لوگوں کی جانیں گئیں اور املاک تباہ و برباد ہوئیں اسے روکا نہیں جاسکتا تھا؟' یہ وہ سوالات ہیں جن کے جواب مختلف اسکالر اور مورخ اپنے اپنے انداز میں دیتے ہیں۔ عام طور پر کہا یہی جاتا ہے کہ حملہ ناگزیر تھا مگر حیدرآباد کی تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے حیدرآباد ہی کے ایک اسکالر سید علی ہاشمی کا کہنا ہے کہ یہ ایک قابل گریز حملہ تھا یعنی اسے روکا جاسکتا تھا۔

سید علی ہاشمی کی انگریزی کتاب

Hyderabad 1948:

An Avoidable Invasion

(حیدرآباد ۱۹۴۸: ایک قابل گریز حملہ) میں حکومتِ ہند اور نظام حیدرآباد کے نمائندوں کے درمیان مذاکرات کی آنکھیں کھولنے والی تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ ہندوستان نے کس طرح سے حیدرآباد پر معاشی پابندیاں عائد کی تھیں اور کیسے ریاست حیدرآباد میں اہم عہدوں پر متمکن اشخاص نے انتہائی نازک وقت میں اپنی 'غداریوں' سے حیدرآباد کے سقوط کو ممکن بنانے میں اپنا اپنا کردار ادا کیا تھا۔ کتاب میں حیدرآباد پر 'پولیس ایکشن' کی کارروائی 'حیدرآباد کی تہذیب وثقافت کی تباہی و بربادی اور جن دنوں حیدرآباد جل رہا تھا ان دنوں نظام کے معمولات کو بھی تفصیلی

طور پر پیش کیا گیا ہے۔اور سندر لال کمیٹی نے سقوط حیدرآباد کے جو حالات درج کیے ہیں ان پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔مختصراً یہ کہ یہ کتاب ان واقعات اور ڈرامے کو ترتیب وار پیش کرتی ہے جن کے نتیجے میں حیدرآباد کو 'پولیس ایکشن' سے گزرنا پڑا تھا۔ سُید علی ہاشمی' حیدرآباد اور امریکہ سے تعلیم یافتہ ہیں اور ملک اور بیرون ملک بالخصوص امریکہ اور عراق کی متعدد لائبریریوں میں بطور لائبریرین کام کر چکے ہیں لہٰذا ان کے پاس آزادی کی تحریک، تقسیم وطن اور سقوط حیدرآباد پر مواد کے لیے نہ کتابوں کی کمی تھی اور نہ ہی دستاویزات کی۔اور اس کتاب کے مطالعے سے بخوبی یہ اندازہ بھی ہو جاتا ہے کہ مصنف نے بڑی ہی محنت اور مشقت سے حقائق جمع کیے، ان کا تجزیہ کیا اور ایمانداری کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کر دیا۔مصنف نے سقوط حیدرآباد کے واقعات سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے کہ 'یہ حملہ قابل گریز تھا' اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر انہوں نے اپنی بات جس سنجیدگی کے ساتھ پیش کی ہے اس کا یہ تقاضا ہے کہ یہ کتاب سنجیدگی سے پڑھی جائے اور مصنف نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے اس پر غیر جانبداری سے غور کیا جائے۔

مصنف نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ 'برسرِ اقتدار ٹولہ یعنی ہندوستان کے حکمراں ایک ترقی یافتہ شاہی ریاست کو ہر حال میں ہندوستان میں ضم کرنا چاہتے تھے'۔ان کا یہ کہنا ہے کہ 'اگر حیدرآباد پر ہندوستان کا دعویٰ جائز تھا تو 29 نومبر 1947ء کو اسے حیدرآباد کے ساتھ قرضہ جات کی ادائیگی کی مہلت کے معاہدہ پر دستخط نہ کرنا ہوتے، وہ بھی ثالثی کی شق کے ساتھ !ثالثی پر رضا مندی تو دو یکساں فریقوں کے درمیان ہوتی ہے۔مطلب یہ ہے کہ ہندوستان ایک علیحدہ ریاست تھی اور حیدرآباد ایک علیحدہ ریاست، لہٰذا حیدرآباد پر چڑھائی تقسیم کے بعد کی ہندوستانی تاریخ کا ایک سیاہ نکتہ یا سیاہ باب ہے۔

کتاب بنیادی طور پر چار ابواب میں منقسم ہے۔ دیباچہ الگ سے ہے۔مصنف نے دیباچے میں اُن دنوں اتر پردیش کی گورنر سروجنی نائیڈو کا ایک واقعہ تحریر کرتے ہوئے اپنی ذہنی حالت کا ان کی ذہنی حالت سے موازنہ کیا ہے۔وہ سقوط حیدرآباد کے تعلق سے اپنے جذبات کا اظہار یوں کرتے ہیں.....''بتایا جاتا ہے کہ قوم پرست لیڈر اور مجاہدین آزادی میں اہم مقام کی حامل سروجنی نائیڈو اپنے آنسو نہیں روک پائیں جب انہوں نے سنا کہ نظام حیدرآباد نے ہندوستان کی حکومت کے سامنے خود سپردگی کر دی ہے۔انہوں نے کہا 'آج میرے ملک نے اپنی آزادی کھو دی ہے'۔

انہوں نے لرزتی آواز میں کہا 'ایک حیدرآبادی کے ناطے میں اپنے ملک کی شکست پر ماتم کناں ہوں'۔ان دنوں محترمہ سروجنی نائیڈو اتر پردیش کی گورنر تھیں۔میں ان کے جذبات میں شامل ہوں۔مصنف نے یہ کتاب اسی ذہنی ڈھانچے میں تحریر کی ہے۔''وہ مزید لکھتے ہیں''یہ کتاب مصنف کے 1948ء میں تجربہ کیے گئے واقعات کا بیان ہے۔''وہ مزید لکھتے ہیں''حیدرآباد پولیس ایکشن کا معاملہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں پیش کیا گیا مگر اسے اس وقت تک پڑا رہنے دیا گیا جب تک کہ یہ اپنی موت آپ نہیں مر گیا۔''

کتاب کا پہلا باب 'تقسیم کا ابتدائیہ' کے عنوان سے ہے۔اس باب میں مصنف نے تقسیم ملک پر پنڈت جواہر لعل نہرو اور محمد علی جناح کے خیالات پیش کیے ہیں، مصنف کے بقول نہرو تقسیم کے حق میں تھے اور جناح ''ایسی وفاقی حکومت چاہتے تھے جس میں مرکز میں وزراء برابر کے ہوں۔''اس باب میں مصنف نے مولانا ابوالکلام آزاد کی اس پیشن گوئی کا کہ تقسیم سے سب سے زیادہ نقصان میں مسلمان ہی رہیں گے ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے''مولانا آزاد کی پیشن گوئی سچ ثابت ہوئی۔آزاد ہندوستان کی تاریخ فرقہ وارانہ فسادات، فرضی مڈبھیڑوں اور مسلمانوں کے تئیں تعصب سے بھری ہوئی ہے۔''

نظام حیدرآباد کی دولت کا ذکر کرتے ہوئے مصنف نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اُس وقت نظام دنیا کے سب سے زیادہ مالدار شخص تھے، حیدرآباد بے حد دولت مند ریاست تھی اور ہندوستان نے اس پر جو معاشی پابندیاں عائد کی تھیں ان سے ریاست متاثر نہیں ہوئی تھی لہٰذا کے ایم منشی نے سردار ولبھ بھائی پٹیل کو خط لکھ کر ان پر زور دیا تھا کہ ایسے اقدامات کیے جائیں کہ حیدرآباد مالی مشکلات میں گھر جائے اور ہندوستان میں ضم ہونے کو تیار ہو جائے۔

کتاب کے بعد کے ابواب ''حیدرآباد مقامی ریاستوں کے درمیان'' ''اتحاد قائدین کی تقدیر'' اور ''زبانی تاریخ'' میں حیدرآباد کے تعلق سے مذاکرات اور اسے حملے سے بچانے کی کوششوں کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔سقوط حیدرآباد کے وقت جو فوج کشی کی گئی اس کی تفصیلات پیش کرتے ہوئے قتل وغارتگری اور لوٹ مار کے واقعات کو 'نسلی قتل عام' قرار دیا گیا ہے۔سید علی ہاشمی

نے ہندو اکثریت والی ریاست پر مسلم اقلیت کی حکمرانی پر مچنے والے شور کا ذکر کرتے ہوئے اس حقیقت کو اُجاگر کیا ہے کہ ذرائع ابلاغ اس پر واویلا مچا رہا تھا مگر کشمیر پر خاموش تھا جہاں مسلم اکثریت پر ہندو مہاراجہ ہری سنگھ کی حکمرانی تھی۔ بقول مصنف ''مہاراجہ کی استحصالی حکمرانی کے مقابلے نظام کی ریاست فلاحی تھی۔''

سید علی ہاشمی نے ساری کانگریس قیادت کو 'سوائے گاندھی جی اور سی راجہ گوپالاچاری کے' سقوطِ حیدرآباد کا 'ملزم' ٹھہرایا ہے۔ سردار پٹیل اور حیدرآباد میں ہندوستان کے ایجنٹ جنرل کے ایم منشی کو 'منصوبہ ساز' قرار دیتے ہوئے وہ پنڈت جواہر لعل نہرو کے بیان کا حوالہ دیتے ہیں کہ ''میں حیدرآباد کو خاک میں ملادوں گا۔'' مصنف کے بقول حیدرآباد کانگریس کے سارے قائدین نے دوغلے پن کا ثبوت پیش کیا' ریاستی کانگریس میں آریہ سماجیوں کی اکثریت تھی جو ہندوستان اور حیدرآباد کے درمیان کسی مستقل صلح کے خلاف تھی کیونکہ اس طرح نظام کی یا بالفاظ دیگر مسلم حکمرانی برقرار رہتی۔ دستاویزات کا حوالہ دیتے ہوئے سید علی ہاشمی کہتے ہیں کہ کانگریس کی کتھنی اور کرنی میں فرق تھا، ابتداء ہی سے اس کی منشا تھی کہ حیدرآباد کو ہندوستان میں ضم کرنا ہے، پٹیل کے الفاظ میں ''یہ شکم سے السر کو نکالنا ہے۔''

سید علی ہاشمی ''غداروں'' کا ذکر بھی سخت لہجے میں کرتے ہیں۔ ان کے بقول حیدرآباد کی فوج کے میجر جنرل احمد العیدروس کی وفاداری ہمیشہ مشکوک تھی لیکن ان کی غداری کا اندازہ اسی وقت ہوسکا جب ہندوستانی فوج آسانی کے ساتھ حیدرآباد میں داخل ہوگئی۔ میجر جنرل کی بیوی ایک یہودی عورت تھی۔ زین یار جنگ، دین یار جنگ، علی یاور جنگ، ہوشیار جنگ یہ نوابین ہندوستانی سرکار کے رابطے میں تھے یہی نہیں شہزادہ معظم جاہ بھی اپنے ولی عہد بھائی کے ہمراہ حکومتِ ہند سے ساز باز کر رہے تھے۔ لئیق علی اور قاسم رضوی کے تفصیلی ذکر کے ساتھ مجلس اور رضا کار تحریک کی سرگرمیوں کی تفصیلات بھی پیش کی گئی ہیں۔

مصنف نے ہندوستانی ذرائع ابلاغ کی 'رضا کاروں' کو فرقہ پرست اور ہندو دشمن ثابت کرنے کی جانبدارانہ کوششوں پر سخت تنقید کرتے ہوئے یہ یاد دلایا ہے کہ 'رضا کاروں میں ہندو بھی شامل تھے۔' مصنف نے قاسم رضوی کی تقریر کا بھی حوالہ دیا ہے جس سے یہ سچ سامنے آجاتا ہے کہ نہ قاسم رضوی فرقہ پرست تھے اور نہ ہی نظام حیدرآباد۔ تقریر میں قاسم رضوی نے صاف لفظوں میں کہا تھا: ''اور دھیان رہے، اپنے ملک کے کسی بھی غیر مسلم کو چھونا نہیں کیونکہ ہم حکومتِ ہند سے جنگ کر رہے ہیں ہندوؤں سے نہیں۔''

کتاب میں کئی 'غلط بیانیوں' 'جھوٹ' یا 'افواہوں' کے پیچھے کے حقائق بھی اجاگر کیے گئے ہیں، مثلاً یہ کہ نظام کی کار پر بم پھینکنے والے نارائن راؤ پوار کو خود نظام نے بچایا تھا ورنہ لوگ اسے پیٹ پیٹ کر مار ڈالتے اور یہ حکم دیا تھا کہ اس پر معمول کی عدالت میں مقدمہ چلے۔ آج اسی پوار کو 'حیدرآباد کا بھگت سنگھ' کہا جاتا ہے۔ یہ خبر اُڑی تھی کہ نظام اپنی ساری دولت بٹور کر ایک خاص ہوائی جہاز سے مصر بھاگنے والے ہیں اور آسٹریلیا کے معروف ہوا باز سڈنی کاٹن کی خدمات انہیں طیارے سے لے جانے کے لئے لی گئی ہیں، پر سچ یہ ہے کہ جب سقوط حیدرآباد ہوا اور جس وقت 17 دسمبر 1948ء کو ان کے بھاگنے کی بات کی جارہی تھی وہ جانماز پر سجدے میں پڑے ہوئے تھے۔ خبر اڑائی گئی کہ نظام نے ہندوستان پر استعمال کرنے کے لیے ایٹم بم حاصل کرلیا ہے یہ خبر بھی جھوٹ ہی نکلی۔

سید علی ہاشمی کا ماننا ہے کہ حیدرآباد پر چڑھائی اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کو جن مصائب اور آلام کا سامنا کرنا پڑا ان سے بچا جاسکتا تھا مگر اقتدار میں انتہائی فرقہ وارانہ ذہنیت کے جو لوگ تھے وہ یہ نہیں چاہتے تھے۔ تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل اس کتاب کو 'سقوط حیدرآباد' سے متعلق تاریخ کا اہم حوالہ کہا جاسکتا ہے۔ یہ کتاب ان کے مطالعے کے لیے بھی ضروری اور اہم ہے جو 'سقوطِ حیدرآباد' کے محرکات اور اثرات سے دلچسپی رکھتے ہیں اور ان کے لیے بھی جنہوں نے اب تک 'سقوطِ حیدرآباد' کی تاریخ کو بس 'ایک ہی رخ' سے پڑھا ہے۔

اس کتاب کا مطالعہ آج کے دور میں جب کہ تاریخ کو سرکاری طور پر مسخ کیا جارہا ہے اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ پتہ چل سکے کہ پہلے بھی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش ہوئی ہے پر تاریخ کے سچ کو کبھی چھپایا نہیں جاسکتا۔ کتاب میں ٹائپ کی چند غلطیاں ہیں۔ مصنف اور فاروس میڈیا اس کتاب کے لیے انتہائی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اُمید ہے کہ کتاب مقبول عام ہوگی۔

☆☆☆

شیخ پرویز نادر

☆اسرائیل کی جارحانہ کارروائیاں اور فلسطین کا مستقبل
☆افغان مذاکرات: امکانات وخدشات
☆این آرسی اور مسلمان
☆کیا بابری مسجد مقدمے کے فیصلے کا وقت آچکا؟
☆بھارت بدترین اقتصادی بحران کا شکار

● فلسطین میں اسرائیل کی نو آبادیاتی ذہنیت اور جنگی جنون نے نا صرف یہ کہ اہل فلسطین کی آزادی وحقوق پر ڈاکہ ڈالا ہوا ہے بلکہ فلسطین میں ایک عظیم انسانی المیہ بپا کیا ہوا ہے- فلسطینیوں کے ٹوٹتے مکانات اور ضائع ہوتی جانیں اب کسی کو متوجہ نہیں کرتیں کیونکہ کہ عالمی سورماؤں نے اہل عرب کو علاقائی رنجشوں میں الجھا رکھا ہے- ہر کوئی اپنی سلامتی و بالا دستی کی جنگ میں مصروف ہے۔ القدس کی پامالی اور آئے روز اسرائیل کی جارحانہ کارروائیاں، جن میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے، مہذب دنیا کی جانب داری اور دوہرے معیار کو واضح کرتی ہیں۔عرب دنیا میں اندرون مما لک خانہ جنگی اور علاقائی رنجش، ایران وسعودی عرب کی موجودہ کشیدگی، دوسری طرف ایشیائی مما لک کو افغانستان وکشمیر میں الجھا کر رکھ دیا جانا.... یہ تمام صورتحال مستقبل کے امکانی مگر بھیانک منظر نامے کا پیش خیمہ معلوم ہوتی ہے۔ اگر چہ میرے اس تجزیے سے کوئی اتفاق نہ کرے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مستقبل قریب میں اہل فلسطین کسی المیے یا حادثے سے دو چار ہونے والے ہیں ورنہ کیا وجہ ہے کہ کبھی آل سعود اسرائیل سے القدس کو اپنے قبضے میں لینے کی بات کہتے ہیں تو کبھی شیخ حرم اسرائیل کو اہل فلسطین پر جبر وتشدد پر حق بہ جانب ٹھہراتے ہیں اور شہزاد آل سعود صدی کی ڈیل کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بے چین نظر آتے ہیں

● اس ماہ یعنی ماہ اگست میں افغان طالبان اور امریکہ کے مابین مذاکرات کا آٹھواں دور بغیر کسی نتیجے کے اختتام کو پہنچا جبکہ اس دور سے پہلے قطر میں طالبان کے سیاسی دفتر کے ترجمان سہیل شاہین نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ مذاکرات اگر اسی طرح چلتے رہے تو جلد ہی امن معاہدے پر دستخط ہوجائیں گے۔ دوسری طرف طالبان سربراہ مولوی ہبت اللہ اخوانزادہ نے امریکہ کو امن معاہدے سے متعلق غیر یقینی کیفیت پھیلانے پر خبر دار کیا تھا اسی طرح ایک طرف دونوں فریقین امن مذاکرات کی میز پر بیٹھے ہوئے ہیں اور دوسری طرف امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ بار بار افغان جنگ کے لیے کھسیانی ہنسی ہنس کر بتا رہے ہیں کہ وہ ایک ہفتے کہ اندر اندر افغان جنگ جیت سکتے ہیں۔

● ایک بڑی خبر جو سوشل میڈیا پر گشت کر رہی ہے وہ این آرسی (نیشنل رجسٹر آف سیٹیزنز) کی ہے۔آسام کی این آرسی کی قطعی فہرست 31 اگست کو جاری کی جائے گی جس کو لیکر آسام کے لاکھوں مسلمان بھارت میں اپنے مستقبل کے بارے میں فکر مندی اور خدشات کا شکار ہیں- آسام کے علاوہ بھارت کے بقیہ صوبوں میں بھی این آرسی کے نفاذ کی خبر بھی پھیلائی جارہی ہے حالانکہ ابھی صرف این آر پی (نیشنل رجسٹر آف پاپولیشن) کا

نفاذ ہوگا نہ کہ این آر سی کا البتہ ہر دو صورت میں ہمیں چاہئے کہ اپنے دستاویزات کو قانونی پہلو سے درست کرالیں۔

● بابری مسجد ملکیت مقدمہ کو جس کی سپریم کورٹ میں یومیہ سماعت ماہ اگست کے شروع ہفتے سے کی جارہی ہے- اگر آپ اس کیس کا باریکی سے مطالعہ کریں گے تو اب تک فریق مخالف یعنی ہندو فریقین نے سپریم کورٹ کی پانچ رکنی بنچ کو صرف گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے اور کوئی ٹھوس ثبوت پیش کرنے میں ناکام رہے ہیں- ثبوت و شواہد کے نام پر دوران بحث جو دستاویزات پیش کی جارہی ہیں، وہ منطقی، عقلی اور دستاویزی لحاظ سے ناقابل قبول معلوم ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود بابری مسجد کے مقام پر مندر کی تعمیر کے لیے سنگ تراشی کا کام تیزی سے شروع کردیا گیا ہے- ملک کے اس پورے منظرنامے کو دیکھ کر دو باتیں فوری طور پر سمجھ میں آتی ہیں: 1) کشمیر معاملہ اور این آر سی کے شور کے پس پردہ حکومت بابری مسجد کا فیصلہ چاہتی ہے جس کے لیے خوف و ہراس کا پورا گراؤنڈ تیار کیا جارہا ہے

● ملک کی موجودہ معیشت انتہائی بدترین بحران کا شکار ہے، نامی گرامی کمپنیاں دن بہ دن بند ہورہی ہیں جس کی وجہ سے ملازمین سے لے کر عوام تک جلد ہی بھوک مری میں مبتلا ہونے والے ہیں لہذا اس جانب سے توجہ ہٹانے کے لیے حکومت مذہبی منافرت کو ہوا دے کر ملک کی عوام کو باہم دست و گریباں کرانا چاہتی ہے۔

سرگرمیاں

❁ 18/8/2019. یوپی زون کے لکھنؤ ڈویژن کا ایک روزہ تزکیہ کیمپ بہرائچ میں منعقد ہوا، جس میں لکھنؤ، فیض آباد، گونڈہ، خراساں، بلرام پور، نانپارہ اور بہرائچ کے ساتھیوں نے شرکت کی۔ یہ پروگرام دو سیشن پر مشتمل تھا۔ پہلا سیشن صبح دس بجے سے شروع ہو کر ایک بجے ختم ہوا۔ اس سیشن میں درس قرآن برادر شہنواز فیض آباد نے پیش کیا، اس کے بعد دو موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ پہلی گفتگو برادر اسامہ فلاحی نے ''مکی دور کے چند نمایاں پہلو'' کے موضوع پر کی، دوسری گفتگو برادر حذیفہ جاوید نے امت مسلمہ کا نصب العین کے عنوان پر کی۔ آخر میں سوال و جواب کے بعد یہ سیشن ختم ہوا۔ نماز و طعام کے بعد 3 بجے سے دوسرا سیشن شروع ہوا جو عصر تک چلا۔ سب سے پہلے برادر غفران نے الجہاد فی الاسلام کے باب اول اور برادر سعید احمد نے باب دوم کا حاصل مطالعہ پیش کیا۔ اس کے بعد ''موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داریاں'' کے موضوع پر تمام ساتھیوں کو اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا گیا، اخیر میں برادر معاذ احمد جاوید کی صدارتی گفتگو ہوئی۔ عصر سے قبل آل انڈیا جنرل سکریٹری برادر معاذ جاوید نے زادراہ پیش کیا اور یہ پروگرام بہ حسن و خوبی اپنے اختتام کو پہنچا۔

❁ مہاراشٹرا راویر 06/08/2019 کو الحمدللہ ''کاروانِ عقاب'' کے طلباء کو ''تعلیمی سیر- Educational Tour'' کی غرض سے راویر سے متصل تاریخی شہر برہانپور کے مشہور و معروف ادارہ ''سیفیہ حمیدیہ یونانی طبیہ کالج و سعیدہ ہسپتال اینڈ ریسرچ سینٹر'' لے جایا گیا۔ جہاں پر ڈاکٹر اشفاق احمد صاحب (ایم ڈی) نے بچوں کو ہسپتال و پورے کالج کا معائنہ کروایا اور ساتھ ہی ساتھ پروفیسر ڈاکٹر قاضی فریدالدین نے بچوں سے گفتگو کی اور طلباء کی خوب رہنمائی کی۔

❁ 11/ اگست کو کاروان عقاب (مسجد قباء) پوسد میں بیت بازی اور برجستہ تقاریر کے مقابلے ہوئے جس میں طلبہ کو انعامات سے نوازا گیا، ساتھ ہی تربیتی اجتماع میں پیش کیے گئے ڈرامہ کے انعامات بھی تقسیم کیے گئے۔

❁ وردھا (مہاراشٹر) میں IYF کی جانب سے سیرت ابراہیمؑ کے عنوان پر خطاب ہوا جس میں شیخ اعجاز صاحب (ہنگن گھاٹ) نے حالات حاضرہ کے تناظر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو پیش کیا۔

❁ راجستھان زون کا دو روزہ تربیتی اجتماع ۱۸/ اگست ۲۰۱۹ کو سوروال میں منعقد ہوا جس میں درس قرآن مطالعہ قرآن اور مختلف موضوعات پر تقاریر ہوئیں۔ درس قرآن برادر سعد نے پیش کیا جس میں سورہ لقمان کی روشنی میں حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو کی گئی نصیحتیں شرکاء کے سامنے آئیں۔ برادر مبشر نے امت مسلمہ کے نصب العین پر گفتگو کی جس میں حضرت آدم کو زمین پر بھیجنے کا مقصد، تمام انبیاء، خصوصاً حضور اکرم ﷺ اور امت مسلمہ کا مقصد بیان کیا گیا۔ برادر جاوید مومن نے اپنی تقریر میں کارکنان تحریک کے اوصاف شرکاء کے سامنے پیش کیے۔ ہم تنظیم کا کام کیسے کریں اس موضوع کے تحت گروپ ڈسکشن ہوا اور اخیر میں برادر جاوید کے زادہ راہ سے پروگرام کا اختتام ہوا۔

دفعہ 370 ہی نشانہ پر کیوں؟

پی چدمبرم کی یہ بات درست ہے کہ اگر جموں کشمیر مسلم اکثریتی صوبہ نہ ہوتا تو وہاں سے ۳۷۰ نہ ہٹایا جاتا۔ ان کی اس بات کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر جموں کشمیر مسلم اکثریتی صوبہ نہ ہوتا تو بی جے پی فوجی طاقت کے بل پر ۳۷۰ نہیں ہٹاتی۔ بلکہ وہاں کی ریاستی سرکار کو خوف ولالچ کے ذریعہ اعتماد میں لے کر ہی اسے ہٹاتی۔ جیسا کہ کانگریس نے اب تک ۳۷۰ کے کئی ذیلی دفعات کے ساتھ کیا ہے۔

آئین ہند کی دفعہ ۳۷۰ ایک خصوصی دفعہ ہے جو ریاست جموں وکشمیر کو جداگانہ حیثیت دیتی ہے۔ یہ دفعہ جموں کشمیر کو اپنا آئین بنانے اور اسے برقرار رکھنے کی آزادی دیتی ہے۔ اس خصوصی دفعہ کے تحت دفاعی امور، مالیات، خارجہ امور کو چھوڑ کر کسی اور معاملے میں متحدہ مرکزی حکومت، مرکزی پالیمان، ریاستی حکومت کی توثیق ومنظوری کے بغیر بھارتی قوانین کا نفاذ ریاست جموں وکشمیر میں نہیں کرسکتی۔ اس دفعہ کا محرک جموں کشمیر کے مہاراجہ کے ساتھ کیا ہوا عہدو پیمان ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ریاست کو بھارت کے کسی بھی وفاقی آئین کو تسلیم کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اس دفعہ کے کچھ اہم نکات حسبِ ذیل ہیں:

- ریاست میں بھارت کے مرکزی آئین کا صرف کچھ امور میں نفاذ ہوگا۔
- ریاست اپنا آئین وضع کرے گی جو ریاست میں سرکاری ڈھانچے کو تشکیل دے گا۔
- مرکزی حکومت کی کوئی بھی انتظامی تبدیلی صرف اس وقت ریاست میں کی جاسکے گی جب ریاستی اسمبلی اجازت دے گی۔
- اس دفعہ کو صرف وقت تبدیل کیا جاسکتا ہے جب دفعہ میں تبدیلی کے تقاضے پورے ہوں اور ریاست کی مرضی اس میں شامل ہو جس کی ترجمانی وہاں کی ریاست اسمبلی کرتی ہے۔
- دفعہ میں تبدیلی صرف ریاستی اسمبلی کی سفارش پر کی جاسکتی ہے جو مرکز اس کا مجاز نہیں ہے۔

اب آرٹیکل 35A کو سمجھنے کے لئے ۱۹۵۳ء میں چلتے ہیں۔ اس وقت کے کشمیر کے حکمراں شیخ محمد عبداللہ کی غیر آئینی معزولی کے بعد بھارتی وزیر اعظم جواہر لعل نہرو کی سفارش پر صدارتی حکم نامے کے ذریعہ آئین میں دفعہ 35A کو بھی شامل کیا گیا۔ جس کے مطابق بھارتی وفاق میں کشمیر کو واضح طور پر ایک علیحدہ ریاست کی حیثیت دی گئی۔

35A، 370 کی ایک مضبوط ومکمل وقانی شکل ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ 1949ء میں بھارتی آئین میں آرٹیکل 370 عارضی منتقلی اور خصوصی معاملات کے طور پر آئین میں شامل کیا گیا۔ جب کہ 1953 میں آرٹیکل 35A کو مکمل قانونی حیثیت دے کر بھارتی آئین میں شامل کرلیا گیا۔ اس طرح دفعہ 370، 35A کے بعد مکمل ومضبوط ہوگیا۔

دفعہ 35A کے مطابق

۱۔ کوئی شخص صرف اسی صورت میں جموں وکشمیر کا شہری ہوسکتا ہے جب کہ وہ وہاں پیدا ہوا ہو۔

۲۔ کسی بھی دوسری ریاست کا شہری جموں کشمیر میں زمین جائیداد نہیں خرید سکتا۔

۳۔ کسی بھی دوسری ریاست کا شخص کشمیر میں سرکاری نوکری حاصل نہیں کرسکتا۔

۴۔ کوئی بھی دوسری ریاست کا شخص جموں کشمیر میں ووٹ کاسٹ نہیں کرسکتا۔

۵۔ دفعہ 35A جموں کشمیر کے لوگوں کو مستقل شہریت کی ضمانت دیتا ہے۔

راجہ ہری سنگھ کا بھارت کے ساتھ ہونے والا الحاق بھی یہی کہتا ہے۔

پی چدمبرم کی یہ بات اس لئے بھی درست معلوم پڑتی ہے کہ صرف جموں کشمیر ہی نہیں بلکہ ملک کے کئی ریاستوں کو جموں کشمیر سے بڑھ کر خصوصی درجہ دیا گیا ہے اور اس کے باضابطہ آئین میں دفعات موجود ہیں۔

۱۔ 371۔ مہاراشٹر اور گجرات کو خصوصی حیثیت دیتا ہے۔ اس کے ذریعہ صوبہ، ویدربھ، مراٹھواڑہ اور کچھ میں ترقی کے کام کے سلسلے میں الگ سے بورڈ بنا سکتا ہے۔ جس پر مرکز کا کوئی اختیار نہ ہوگا۔

۲۔ 371A۔ ناگالینڈ کو ملک کے تمام صوبوں سے منفرد کرتا ہے۔ دوسرے صوبوں کے افراد یہاں زمین نہیں خرید سکتے ہیں۔ یہاں کا قانون، یہاں کے مذہبی رسم ورواج کے مطابق ہوگا حتی کہ کریمنل لاء بھی۔ یہاں کے رواج کے مطابق ہوگا۔

۳۔ 371B آسام:- اس کے تحت قانون ساز ادارے ریاست کے اپنے ہونگے۔ اس ادارے میں آدیواسیوں کے نمائندے منتخب ہوکر آئیں گے۔

۴۔ 371C منی پور: یہاں بھی معاملہ آسام کی ہی طرح ہوگا البتہ قانون ساز اداروں میں پہاڑی علاقے کے افراد منتخب ہوکر آئینگے۔

۵۔ 371-D-E آندھرا پردیش: تعلیمی اداروں اور نوکری کے حصول میں یہاں کے لوگوں کو اس دفعہ کے تحت ترجیح دی جائیگی۔

۶۔ 371F: سکم: پورے صوبے کی زمین کا مکمل اختیار ریاست کو ہوگا۔ زمین کے مسئلہ میں سپریم کورٹ کو بھی دخل اندازی کا اختیار نہیں ہوگا۔ اس کا بھی قانون ساز ادارہ جدا ہوگا۔

۷۔ 371G میزورم: یہاں کی زمین کا مالکانہ حق صرف یہاں کے بسنے والے آدیواسیوں کا ہے۔ البتہ فیکٹری وغیرہ کے لئے صوبہ کی سرکار زمین لے سکتی ہے۔ مذہبی ومعاشرتی تمام طرح کے معاملات میں حتی کہ کریمنل لاء میں بھی میزو روایات کا خیال رکھنا لازم ہوگا۔

۸۔ 371H: اروناچل پردیش: میزورم جیسی رعایت ہوگی۔

۹۔ 371I گوا: قانون ساز ادارے کو خصوصی حیثیت دی گئی ہے جو کہ دوسری ریاستوں سے مختلف ہے۔

۱۰۔ 371J حیدرآباد کرناٹک کے چھ پچھڑے اضلاع کی ترقی کے لئے اس دفعہ میں ریاست کو خصوصی اختیار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ مہاراشٹر وگجرات کو۔

ساتھ میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ ملک کے تین خوب صورت ریاست میزورم، اروناچل پردیش اور ناگالینڈ میں یہ قانون بھی ہے کہ یہاں کوئی بھی ہندوستانی ایئر لائن پرمٹ کے بغیر ان کی سرحدوں میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ یہ ایک طرح کا ویزا ہے۔

NUKUSH-E-RAH

RNI No. MAHURD/2018/77384
September : 2019
Vol :-02 Issue : 08

مصری عالم دین سیّد قطبؒ شہید کے ذریعہ زنداں میں کی جانے والی عربی زبان کی مایہ ناز تفسیر

مکمل سیٹ (۱۸ رجلدیں)

کی اردو ترجمانی اپنی اصل روح کے ساتھ بذریعہ

مولانا سید حامد علیؒ صاحب رمولانا مسیح الزماں فلاحی، ندوی صاحب

- شُستہ، شگفتہ اور عام فہم زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر۔
- علمی، فکری اور سائنٹفک تفسیر۔ دعوتی، تربیتی اور انقلابی تفسیر۔ وجدانی اور ادبی تفسیر۔
- کسی قسم کی الجھن اور پیچیدگی کے بغیر مفاہیم قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے بہترین تفسیر۔
- اسلامی اجتماعیت کے اصول، طریق کار اور عروج وزوال کے اسباب پر سیر حاصل گفتگو۔
- اسلامی جماعت کے کارکنان کے لیے بہترین مشعل راہ۔
- عمدہ کاغذ، بہترین کتابت وطباعت اور پرکشش ٹائٹل۔

اس انقلاب انگیز تفسیر کا مکمل سیٹ اپنی لائبریری، مسجد اور گھر کے لیے ضرور منگائیں۔

اپنا آرڈر بک کرائیں: موبائل 9899693655

ای میل: gpddelhi2018@gmail.com

Nukush-e-Rah
1st Floor, Opp. Basera Apartment
Subhash Chowk, Akola-444001
0724-2434333 / 9579487496
nukusherah@gmail.com